انتخاب

بُستانِ حِکمت

فقیر محمد خاں گویاؔ

مُرتبۂ

نیر مسعود

اترپردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات : ۲۵۲

انتخاب
بُستانِ حِکمت

فقیر محمد خاں گویاؔ

مُرتّبۂ

نیر مسعود

اُتّر پردیش اُردو اکادمی
لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

انتخاب "بستان حکمت" فقیر محمد خاں گویاؔ

مرتبہ: نیر مسعود

پہلا ایڈیشن

تعداد ۱۰۰۰

قیمت سات روپے

۰۶۸۸
Acc No
12,282

رام کرشن ورما، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس نشاط آفسیٹ پریس، ٹانڈہ (فیض آباد) سے چھپوا کر بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کیا۔

پیش لفظ

اردو نثر کی تاریخ میں مُلّا حسین واعظ کاشفی کا ذکر ہمیشہ احترام کے ساتھ کیا جائے گا۔ فارسی کے یہ کثیر التصانیف عالم تھے لیکن ان کی تین کتابیں ایسی ہیں جن کا ترجمہ جب اردو میں کیا گیا تو ان تینوں کو کسی نہ کسی عنوان سے شمالی ہند کی اردو نثر کا قابلِ قدر نمونہ قرار دیا گیا۔ ان کی کتاب روضۃ الشہدا کا ترجمہ فضل علی فضلی نے 'کربل کتھا' کے نام سے کیا اور آج کربل کتھا اردو نثر کے اکثر محققین اور مورخین کے نزدیک شمالی ہند کی نثر کا اولین مستند نمونہ ہے۔

مُلّا حسین واعظ کاشفی کی دوسری کتاب 'اخلاق محسنی' ابھی کل تک فارسی درسیات میں شامل تھی۔ اس کا اردو ترجمہ 'گنج خوبی' کے نام سے میر امّن جیسے نثر نگار نے کیا تھا۔ ہر چند اس ترجمے کو زیادہ شہرت نہیں ملی لیکن اردو نثر کے اسلوبی تجزیے کے لیے اردو نثر میں میر امن کے ہمہ جہتی کمالات سے شناسائی کے لیے اس کا مطالعہ آج بھی ناگزیر ہے۔

کاشفی کی ایک اور کتاب 'انوارِ سہیلی' مدتوں داخل درسیات رہی۔ گلستانِ سعدی کے بعد اگر کسی درسی کتاب کو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی تو وہ یہی 'انوار سہیلی' ہے۔ اودھ کے ایک جلیل القدر مدبر اور دبستانِ ناسخ کے نمائندہ شاعر فقیر محمد خاں گویا نے 'بُستانِ حکمت' کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تو یہ لکھنؤ میں اردو نثر کے ارتقا کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔

۱۸۵۷ء سے پہلے اردو نثر کے نمونے ملتے کہاں تھے۔ لکھنؤ میں تو یہ شے

اور بھی کم یاب تھی۔ یہ صحیح ہے کہ فسانۂ عجائب نے اس کمی کو محسوس نہیں ہونے دیا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ تنہا فسانۂ عجائب لکھنؤ کے گلستانِ نثر کی تزئین کے لیے کافی نہیں تھی۔ اب نئی تحقیق سے لکھنوی نثر کے متعدد نمونوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ان نمونوں میں 'بُستانِ حکمت' کو اولیت حاصل ہے۔ بُستانِ حکمت صرف انوارِ سہیلی کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں ترجمہ نگار نے اپنے تخلیقی جوہر کو بھی شامل کر دیا ہے۔ اس طرح بُستانِ حکمت کو نثری تصنیف کا درجہ حاصل ہے۔

اردو اکادمی فارسی کے عالم اور اردو کے نامور ادیب و محقق ڈاکٹر نیر مسعود صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے بستانِ حکمت کا نمائندہ انتخاب کیا۔ اکادمی بڑے فخر کے ساتھ اس انتخاب کو شائع کر رہی ہے۔

یقین ہے کہ کلاسیکی ادب کے دوسرے انتخابات کی طرح اس انتخاب کو بھی کو حُسنِ قبول حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین مجلسِ انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
لکھنؤ ۸ر دسمبر ۱۹۸۷ء

ترتیب

۱	مقدمہ ۷
۲	سبب تالیف ۱۲
۳	خود نوشت فقیر محمد خاں گویا ۱۴
۴	نواب امیر خاں اور نابینا حافظ ۲۱
۵	حکایات بستان حکمت ۲۵

مقدمہ

حسام الدولہ تہور جنگ نواب فقیر محمد خاں گویاؔ کئی حیثیتوں سے اہم شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بہ یک وقت تلوار اور قلم کے دھنی تھے۔ دکن اور اودھ میں اُن کی سپہ گری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ادب کے میدان میں ایک خوش فکر شاعر ہونے کے علاوہ اُن کا شمار ادبی اردو نثر کے بنیاد گزاروں میں کیا جا سکتا ہے۔ اودھ کی سیاسی تاریخ میں ان کا کردار نمایاں تھا اور انھوں نے تاریخِ اودھ کی بعض اہم شخصیتوں کی دوستی یا دشمنی کا ذائقہ چکھا تھا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے وطن ملیح آباد میں قلمی آم کی کاشت کو فروغ دیا اور اپنی ایجاد پسند طبیعت سے مشہور لکھنوی اور ملیح آبادی سفیدہ آم تیار کیے۔

گویاؔ کا تعلق ملیح آباد کے ایک سربرآوردہ پٹھان گھرانے سے تھا۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد میں وہ قسمت آزمائی کے لیے وطن چھوڑ کر دکن چلے گئے تھے۔ غازی الدین حیدر کے عہد میں وہ عارضی طور پر اودھ واپس آئے تھے لیکن وزیرِ اودھ معتمد الدولہ آغا میر نے اصرار کر کے انھیں یہیں روک لیا۔ اس کے بعد سے گویاؔ ممتاز سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ اگرچہ ان کی زندگی میں نشیب و فراز بھی آئے اور اودھ کے سیاسی مدّ و جزر میں گاہ گاہ اُن کو سرکاری اقتدار اور انتظامی عُہدوں سے محروم ہونا پڑا لیکن شخصی اعتبار سے انھیں ایک جلیل القدر اور

ہنر پرور رئیس کی حیثیت ہمیشہ حاصل رہی۔ اُن کے مزاج میں بانکپن اور شجاعت کے ساتھ شائستگی اور فروتنی کی آمیزش تھی جس کے متعدد دل چسپ واقعات مشہور ہیں۔ گویا کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو اُن کی وطن دوستی تھی۔ انھوں نے ہندوستان پر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے تسلّط کو کبھی دل سے گوارا نہیں کیا اور اپنے مقدور بھر اس کے تدارک کی بھی کوشش کی۔

فعّال ادبی، سیاسی اور سماجی زندگی گذارنے کے بعد آخر عمر میں گویا ملیح آباد میں خانہ نشین ہو گئے تھے اور وہیں غالباً ۱۲۶۸ھ (۵۲-۱۸۵۱ء) میں اُن کی وفات ہوئی۔ اپنے ترکے میں مالِ دنیا کے علاوہ گویا نے وہ ادبی روایت بھی چھوڑی جس کے مشہور ترین نمائندے اُن کے پرپوتے جوشؔ ملیح آبادی تھے۔

گویا شاعری میں ناسخؔ کے شاگرد تھے اور اچھّے شاعروں میں شمار ہوتے تھے، لیکن اُن کا اصل ادبی کارنامہ اُن کی نثری کتاب "بُستانِ حکمت" ہے۔

○

ہندوستان کے قدیم افسانوی ادب میں سنسکرت کی، "پنچ تنتر" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اخلاقی حکایتوں کا یہ مجموعہ، جس میں جانور نمایاں کردار ادا کرتے ہیں، مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں کے بہت سے حکایتی مجموعوں کا ماخذ ہے۔ روایات کے مطابق نوشیرواں کے عہد میں یہ کتاب ایران پہنچی اور پہلوی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ پہلوی زبان سے ابنِ مقفّع نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جو کلیلہ و دِمنہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بارہویں صدی عیسوی میں نصر اللہ منشی نے ابنِ مقفّع کے ترجمے کو سادہ فارسی نثر میں منتقل کیا۔ ان دونوں ترجموں کو بنیاد بنا کر ۱۴۷۰ء اور ۱۵۰۵ء کے درمیان ایران کے عالم اور انشا پرداز مُلّا حسین واعظ کاشفی نے "انوارِ سُہیلی" لکھی جو اپنے رنگین اسلوب کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی اور بہت زمانے تک مقبول رہی۔

بار بار ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ ہونے کے دوران اصل کتاب میں طرح طرح کے تغیّرات اور تصرّفات بھی ہوتے گئے۔ کچھ حکایتیں حذف ہوئیں، کچھ نئی حکایتوں کا اضافہ ہوا، بعض تمہیدیں بڑھائی گئیں اور سب سے بڑا فرق یہ ہوا کہ بہت سے کرداروں میں تبدیلیاں ہوگئیں۔ متعدد کردار ہندوستانی سے ایرانی، عرب اور اسلامی ہوگئے اور برہمنوں سنیاسیوں کی جگہ درویشوں زاہدوں وغیرہ نے لے لی۔

اردو میں "پنچ تنتر" کی کہانیاں زیادہ تر اسی بدلے ہوئے روپ میں رائج ہوئیں اس لیے کہ ایران کی طرح ہندوستان میں بھی حسین واعظ کی "انوارِ سُہیلی" کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی بنیاد پر اردو میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ ان کتابوں میں سب سے اہم "انوارِ سُہیلی" کا وہ ترجمہ ہے جو فقیر محمد خاں گویاؔ نے "بُستانِ حکمت" کے نام سے کیا اور تخمیناً سوا دو لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے۔

"بُستانِ حکمت" کے زمانۂ تالیف میں کچھ خلطِ مبحث ہے:

(۱) گویاؔ کتاب کے خاتمے پر لکھتے ہیں:

"شکر ہے خدائے عزّ وجلّ کا کہ ترجمہ انوارِ سہیلی کا چودھویں ذیقعدہ ۱۲۵۱ھ [مطابق ۲ مارچ ۱۸۳۶ء] وقت صبح کے کہ ہنوز نیّرِ اعظم نے علمِ نورانی افق مشرق سے بلند نہ کیا تھا کہ مقامِ دارالسلطنت لکھنؤ میں ختم ہوا۔"

(۲) اس کے بعد ناسخؔ کی کہی ہوئی تاریخ ہے جس کے مادّے "بستانِ سیرابِ حکمت" سے ۱۲۵۴ ہجری نکلتے ہیں جو ناسخؔ کے بہ قول اس کا "سال تاریخ اتمام" ہے۔

(۳) اس کے بعد ناسخؔ کے شاگرد فرخؔ کا قطعۂ "تاریخِ تصنیف" آتا ہے۔ فرخؔ نے "لکھی تاریخ تب باسالِ ترتیب" کی وضاحت کے ساتھ اس "تالیف" کی "تاریخ" کے لیے دو مصرعوں میں دو مادّے نکالے ہیں۔ ایک "دفترِ دل چسپِ حکمت"، جس سے ۱۲۵۱ھ برآمد ہوتے ہیں، دوسرا "نصیحت نامۂ شایانِ زیرک"،

جس سے ۱۲۵۱ھ نکلتے ہیں۔

اِن مختلف تاریخوں کی روشنی میں قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۲۵۱ھ میں گویا نے ترجمے کا کام ختم کر لیا۔ فرخ نے بھی اس کی تاریخ (۱۲۵۱ھ) نکالی۔ ۱۲۵۳ھ میں گویا نے نظرِ ثانی وغیرہ کر کے مسوّدے کو "ترتیب" دیا اور فرخ نے دوسرے مصرعے میں "سالِ ترتیب" کی تاریخ (۱۲۵۳ھ) نکالی۔ ناسخ کی تاریخ ۱۲۵۴ھ غالباً اُس وقت کی ہے جب گویا نے کتاب کا دیباچہ وغیرہ لکھ کر اسے طباعت کے لیے تیار کر دیا ہوگا۔

"بستانِ حکمت" حسبِ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے جن سے اس کتاب کے موضوعات کا احاطہ معلوم ہو سکتا ہے:

۱۔ "اجتناب کرنے میں قول سے ساعی اور نمّام کے۔"

۲۔ "سزا پانے میں بدکاروں اور اُن کی شامتِ احوال میں۔"

۳۔ "موافقت میں دوستوں کی اور اُن کے فوائدِ مقاصد۔"

۴۔ "ملاحظہ کرنے میں احوال دشمنوں کے، اور اُن کی تدبیر سے بے فکر نہ رہنے میں۔"

۵۔ "مضرت میں غفلت کرنے کی، اور جو کچھ کہ بہ سبب تساہل اور سُستی کے حاصل ہوتا ہے۔"

۶۔ "آفتِ تعجیل اور ضررِ شتاب کاری میں۔"

۷۔ "احتیاط اور تدبیر میں کہ دشمنوں کی بلا سے کسی حیلے کے سبب نجات پائے۔"

۸۔ "احتراز کرنے میں اربابِ مکر سے، اور اعتماد نہ کرنا تملّق پر اُن کے۔"

۹۔ "فضیلت میں عفو کی۔"

۱۰۔ "مضرّت میں زیادہ طلبی کی... کہ بہ سبب اس کے انسان اپنے مطلب سے بھی محروم رہتا ہے۔"

۱۱۔ "جزائے اعمال اور طریقِ مکافات میں۔"

۱۲۔ "فضیلت میں حلم و وقار اور سکون و ثبات کی... خصوصاً بادشاہوں کے واسطے۔"

۱۳۔ "پرہیز کرنے میں بادشاہوں کے اہلِ غدر اور خیانت سے۔"

۱۴۔ "اس میں ہے کہ التفات نہ کرے انقلاب زمانے پر، بلکہ ہر کام کو قضا و قدر پر رکھے۔"

اِن ابواب کے تحت براہِ راست بھی پند و موعظت سے کام لیا گیا ہے، لیکن نفسِ موضوع کی مثال اور استشہاد کے طور پر جو حکایتیں بیان ہوئی ہیں وہی اس کتاب کی دل کشی اور دیرپا مقبولیت کا اصل سبب ہیں۔

گویا کا بنیادی اسلوب سادگی کی طرف مائل ہے لیکن چونکہ "بستانِ حکمت" آزاد تالیف نہیں بلکہ رنگین اور پُرتکلّف اسلوب کی "انوارِ سُہیلی" کا ترجمہ ہے اس لیے گویا کی اردو نثر پر بھی جا بہ جا اُس کا اثر نظر آتا ہے۔ علاوہ بریں ڈیڑھ سو برس پہلے کی تحریر ہونے کی وجہ سے بھی "بستانِ حکمت" کی زبان آج کی زبان کے مقابلے میں کسی قدر غیر مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اس کی نثر میں ایک طرح کی تازگی اور جاذبیت بھی ہے جس کی وجہ سے اس کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں ہے۔

"بستانِ حکمت" اب کم یاب ہو گئی ہے اور اس کی ضخامت کو دیکھتے ہوئے اس کے از سرِ نو تمام و کمال چھپنے کی امید کم ہے۔ زیرِ نظر انتخاب[1] کا مقصد یہ ہے کہ فقیر محمد خاں گویا کا یہ نثری کارنامہ طاقِ نسیاں پر نہ جانے پائے اور آج کا قاری بھی اس سے آشنا رہے[2]

نیّر مسعود

---

[1] یہ انتخاب "بستانِ حکمت" کے اُس ایڈیشن سے تیار کیا گیا ہے جو خود گویا کی فرمائش پر مطبعِ نثار علی، لکھنؤ میں بڑی تقطیع کے عمدہ کاغذ پر خاصے اہتمام سے چھاپا گیا تھا۔ سالِ طباعت درج نہیں ہے۔ اس میں گویا کی خود نوشت بھی ہے جو بعد کے ایڈیشنوں سے خارج کر دی گئی۔ یہ "بستانِ حکمت" کا پہلا ایڈیشن ہو سکتا ہے۔

[2] فقیر محمد خاں گویا کے تفصیلی حالات اور "بستانِ حکمت" کے تحقیقی اور تنقیدی مطالعے کے لیے دیکھیے:

۱۔ "یادوں کی برات": جوش ملیح آبادی

۲۔ "گویا، صاحبِ سیف و قلم": جعفر ملیح آبادی

۳۔ "اردو کی نثری داستانیں": ڈاکٹر گیان چند

سببِ تالیف

(از دیباچہ بُستان حکمت)

ایک روز بندہ اور خواجہ وزیر اور میاں فرخ شاعر، کہ یہ دونوں شخص شاگردِ ارشد شیخ ناسخ صاحب کے ہیں، اور چند احباب اور بھی باہم بیٹھے تھے اور اُس وقت شغل "انوارِ سُہیلی" کے مطالعے کا تھا، اور اس کے مصنف کی فکرِ رسا پر سب نے زبانِ ثنا کھولی تھی کہ سبحان اللہ، مصنّف اس کا عجب حکیمِ بے مثل تھا اور عجب کتاب تصنیف کی ہے کہ گنجینہ ہے اسرارِ الٰہی کا اور خزینہ ہے فیضِ نامتناہی کا، بلکہ قرینہ اس پر دال ہے کہ یہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے، مظنّہ ہے کہ بہ امدادِ الہامِ غیبی ہو، والّا رائے انسانِ ضعیف البُنیان کی کب کُنہ کو اس قدر جُزئیاتِ عالم کی پہنچ سکتی ہے۔ اگر مطالب اس کتاب کے کوئی بہ چشمِ خرد دیکھے تو کوئی دقیقہ فوائد دینی و دنیوی سے باقی نہیں چھوڑا ہے، اور اگر کوئی، غریب و فقیر، خواہ رئیس و امیر، خصوصاً بادشاہ، اس کتاب کے مطالب کو اپنا قبلۂ مقاصد کرے تو یقین ہے کہ سعادتِ دارین سے سرفرازی پائے اور رونق اُس کے ہر امر کی روز بہ روز ترقی کرتی جائے۔

اس گفتگو میں سب اہلِ محفل نے اصرار کیا کہ اکثر زبانوں میں ترجمہ اس کا ہو چکا ہے۔ اگر تم اردو میں اسے ترجمہ کرو تو خوب چیز ہو۔ راقم نے ہر چند عذر کیا، پیش رفت نہ ہوا۔ کچھ مِنَ اللہ بندے کو بھی توفیق رفیق ہوئی اور ہمت اس پر آبندھی۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہ

کہہ کر ارادہ کرو، اگر فضلِ الٰہی شاملِ حال ہے تو سب بن آوے گا، لہٰذا خدا کی عنایت پر تکیہ کر کے شروع کیا جاتا ہے۔

اب سُنا چاہیے کہ جب ارادہ ہوا کہ ترجمہ اس کا اردو میں کروں تو اوّل ضرور ہوا کہ بہ نظرِ تامّل اس کتاب کی عبارت اور مطالب کو دیکھا جائے۔ اس لیے بہ غور تمام دیکھا تو بیشتر مطالب پر اعتراض وارد ہوتے ہیں، اور بعض جگہ اجمال میں مثلاً دو چیز کا مذکور تھا، جب تفصیل کی تو ایک کا مذکور رہوا اور دوسرا مطلب رہ گیا، اور بعض جگہ اگر کچھ بیان اور ہو تو مطلب برآمد ہوتا ہے، ورنہ نقصان رہتا ہے۔ اور اکثر فقرات، کہ واسطے رنگینیِ کلام کے طول دیے گئے تھے سو حذف کرنا اس کا ضرور تھا۔ اور بہت اشعار کہ مطالب سے چسپاں اور دست و بغل نہ تھے، موقوف کرنا اُن کا مناسب تھا۔ لیکن خیال میں یوں آتا ہے کہ اتنا بڑا استاد اتنے نقصان دیدہ و دانستہ کیوں رہنے دیتا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصۂ دراز سے جو لوگوں نے اس کا مطالعہ کم کر دیا ہے تو کاتبوں کی غلط نویسی سے یہ نقصان سب عارض ہوئے ہیں۔ لہٰذا بندے نے اپنی دانست میں اسے درست کیا اور بیشتر عبارت اور مطالب جا بہ جا کم و بیش کیے، اور اکثر جا پر، کہ قصر اس کا ضروریات سے تھا، اور بعض جگہ پر بڑھانا عبارت اور مطالب کا مناسب تھا، اُسی طرح عمل میں لایا۔ زیادہ تفصیل کرنے میں طوالت ہوتی ہے، لہٰذا اس پر موقوف رکھا کہ جس نے "انوارِ سہیلی" کو دیکھا ہوگا، یا اب بہ نظرِ تامّل اس سے مقابلہ کرے گا، اس پر خود منکشف ہو جائے گا کہ گویا صورت کتاب کی اور ہی ہو گئی ہے۔ برائے نام ترجمہ کہا جاتا ہے ورنہ یہ کتاب حقیقت میں جُدا ہے۔ لیکن حق یوں ہے کہ یہ احسان نقاشِ اوّل کا ہے، ورنہ مجھ سے بے مایہ کو کہاں طاقت اس کے بیان کی تھی؟

خودنوشتِ فقیر محمد خاں گویا

(منتخب سلے۔ از دیباچۂ بستانِ حکمت)

یہ فقیرِ حقیر فقیر محمد خاں، سراپا تقصیر، متخلّص بہ گویا، قوم افغان اور لقب پٹھان اور آفریدی، اور آفریدیوں میں علی خیل ہے۔

جب کہ صفدر جنگ بہادر ملکِ اودھ میں تشریف لائے، اس وقت میں ہمارے بزرگوں کے پانچ رسالے تھے، اس لیے پنج بھیّے ان کا لقب تھا۔ یہ سب اس ملک میں نوابِ عالی جاہ کے ساتھ آئے اور صفدر جنگ بہادر نے حکم فرمایا کہ اس ملک میں جو جگہ کہ تمھارے پسند ہو، مع قبائل اُس جگہ اقامت کرو۔ انھوں نے عرض کیا کہ نواب دلیل خاں اور بہادر خاں کے وقت سے بارہ بستیاں پٹھانوں کی آباد ہیں اور وہ سب ہمارے عزیز ہیں۔ اگر حکمِ جہاں مطاع ہو تو ہم بھی وہیں اپنا مسکن کریں۔ ارشاد ہوا کہ تمھیں اختیار ہے۔ تب ان سبھوں نے قریۂ کولہار میں، کہ قریب ملیح آباد اور بختیار پور کے ہے، مسکن اختیار کیا اور تا حالتِ تحریر آباد ہیں۔ اور جو جو جاں فشانیاں کارِ سرکار میں سب بزرگ بندے کے کرتے آئے، اگر شرح کرتا ہوں تو دفتر طولانی ہوتا ہے۔ حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ سوائے اِس سرکارِ ابد پایدار کے دوسری سرکار ہمارے خاندان سے کسی شخص نے نہیں دیکھی۔ مگر اِس برگشتہ بخت کا حال سنا چاہیے کہ از ابتدائے شباب دل میں یہ سمائی تھی کہ دیارِ دکن میں جا کر کچھ ایسے دست و پا ہلائیے کہ اگر تائیدِ الٰہی اور فیضِ لم یزلی

اعانت فرمائے تو ایک ثروت اور بلند نامی پیدا کیجیے۔ ۱۲۲۰ ہجری میں بندہ بہ امیدِ عنایتِ کریم کارساز روانہ، ملک دکن ہوا۔ والد اور سب دوست واقربا بندے کے روتے رہے اور کوئی روک نہ سکا۔ اس وقت میں کہ یسونت راو ہلکر نے بعد صلح جرنیل لک صاحب کے پنجاب سے معاودت کی تھی، بندہ بھی ملک ہریانے میں مقام پرموضع بیری کے لشکر میں ہلکر بہادر کے حاضر ہوا۔ ہلکر بہادر بہ تکریم بندے سے پیش آئے۔ تین مہینے اس طرح پر گزرے تھے کہ نواب امیر الدولہ محمد امیر خاں بہادر بہ اصرار تمام باعث ہوئے کہ ہم تم ہم قوم وہم جنس وہم ملّت ہیں۔ اور ہلکر بدمزاج ہے، تمھاری اور اس کی نہ بنے گی۔ میرے پاس چلے آؤ۔ القصّہ بندے کو بھی بہ سبب خصوصیت اور جنسیت کے یہی مناسب نظر آیا کہ لشکر میں بہادر ممدوح کے اُٹھ آیا۔ لیکن نواب ممدوح کی کس زبان سے مدح کروں کہ عجب طرح کا شخص اشجعِ دوراں اور رستمِ ثانی تھا۔ آٹھ برس اور نو مہینے اس عاصی مولف نے اُس امیر کبیر کی خدمت میں بسر کی۔ اور جو جو خدمت گزاری اور جاں نثاری اس کم ترینِ خلائق سے ہو سکی اس کا بیان اپنی زبان اور زبانِ قلم سے ادا ہو نہیں سکتا، لیکن کچھ تھوڑا سا حال بندے کا امیر نامہ سے، کہ جو تاریخ حالات میں اُس امیر کے کسی ہندو نے تالیف کی ہے، دریافت ہو سکتا ہے۔

۱۲۲۹ ہجری میں نواب امیر الدولہ محمد امیر خاں بہادر مرحوم نے بہ خوبی تمام اس بندۂ عاصی کو رخصت کیا اور تاکیدِ مزید کی کہ بعد تین مہینے کے پھر آنا۔ آخر پندرہویں رمضان ۱۲۲۹ ہجری روز جمعے کا تھا، بندہ غریب خانے میں، کہ اُس وقت میں مسکن کو کُہار تھا، پہنچا تو دریافت ہوا کہ نواب جنت آرام گاہ، یمین الدولہ، ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر مبارز جنگ نے ۲۳ ویں رجب ۱۲۲۹ ہجری سہ شنبے کے دن رحلت کی، اور اب رونق افزائے مسند حکومت رفعت الدولہ رفیع الملک میرزا غازی الدین حیدر خاں بہادر شہامت جنگ ہیں اور عہدۂ نیابت نواب معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خاں بہادر ضیغم جنگ کو مقرر ہوا ہے۔

اتفاقاً مذکور اس عاصی کا راجا بھوانی پرشاد اور عبدالباقی خاں قندھاری نے موافق اپنی خوبی کے نوابِ ممدوح [معتمدالدولہ آغا میر] کی خدمت میں بر سبیل حکایت عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسے شخص کی ملاقات کو ہمارا بھی دل چاہتا ہے راجا موصوف اس کے باعث ہوئے۔ آخر بندے کو ماہِ ذیقعدہ سنہ الیہ میں ملازمت کے واسطے لے گئے۔ نواب ممدوح نے خلوت کر کے بندے سے کچھ کلام کیا۔ بندے نے بھی جواب اس کا، جو کچھ کہ مناسبِ وقت تھا، عرض کیا۔ غرض کہ جنابِ ممدوح اصرارِ تمام سے باعث ہوئے کہ میں تمھیں زنہار جانے نہ دوں گا۔ وطن اور عزیز و اقربا کو چھوڑ کے ملکِ بیگانہ و ناآشنا میں جانا اور عمداً آسائشِ دل ہاتھ سے دینا اور محبت اپنے ملک اور اقربا و احبّا کی چھوڑنا خلافِ خرد اور ترک کرنا انعام کا ہے القصّہ کلامِ دُرفشاں اس بحرِ جود و کرم کا دل میں اس بندے کے اثر کر گیا۔ جو کچھ کہا اسے بجا لانا پڑا۔ اس کے بعد روز بہ روز ایسے سبب پیش آئے کہ دم بہ دم محبت اُن کی زیادہ ہوتی گئی اور کوئی درجہ الطاف کا باقی نہ چھوڑا۔

نواب نے تقریب بندے کی جنابِ غازی الدین حیدر سے کی اور ملازمت کے واسطے لے گئے۔ بہ مجرّد دیکھنے کے ایک حیرت دل پر طاری ہوئی کہ اس وجاہت وصورت کا رئیس آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔ بعد چند روز کے سیرت میں جو دیکھا تو سبحان اللہ۔ زبان کی طاقت نہیں کہ مدح اس کی کر سکے۔

ایک دن خیال میں نوابِ ممدوح کے یوں گزرا کہ نواب غازی الدین حیدر بہادر اگر تخت نشین ہوں تو خوب ہے۔ آخر توجہ سے لارڈ گورنر میرا صاحب کی ۱۲۳۴ ہجری میں تخت نشین ہوئے۔ اس دن سے رونق اور خوشی لکھنؤ کی دوچند ہو گئی۔

۲۷ ویں ربیع الاول ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۱۲۳۵ فصلی، دن ہفتے کے، کہ اُسی دن دیوالی بھی تھی، بعد نمازِ فجر کے خلد مکان غازی الدین حیدر بادشاہ نور اللہ مرقدہٗ نے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن پہر روز برآمد

ہوا تھا کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ کو بارہ دری میں لا کے تختِ سلطنت پر بہ ہزار شوکت و عظمت جلوہ افروز کیا۔

نواب ممدوح [معتمد الدولہ] نے جنازہ خلد مکان کا دوش پر رکھ کر نجف میں لے جا کے دفن کیا اور بعد دفن کے نور بخش کی بارہ دری میں آ کے بہت سا روئے اور بہ یقین جانا کہ عہد دولت ہمارا تمام ہوا اور قصد یہ کیا کہ آج سے بادشاہ کے حضور میں حاضر نہ ہوں۔ مشیرانِ ہم نشین نے عرض کیا کہ آج حاضر ہونا آپ کا حضورِ بادشاہی میں ضرور تر ہے، بلکہ جب تک سرکار سے ممانعت نہ ہو تب تک از خود خانہ نشین ہونا نہ چاہیے۔ نواب ممدوح کو بھی یہی مستحسن نظر آیا۔ سہ پہر کو سوار ہو کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے اسی دم خلعتِ سرفرازی بہ کمالِ مرحمت و عنایت عطا فرمایا۔ سبحان اللہ، گمان یہ تھا کہ بہ نسبت رنج و ایذائے سابق کے ان کے حق میں بدی تجویز کریں گے، سو اُس کے عوض میں مختاری مال و ملک کی عنایت ہوئی۔

حکایت نواب معتمد الدولہ بہادر کی ختم کرنی ضرور ہے۔ سُنا چاہیے کہ پہلے سے بھی مختاری اب ان کی زیادہ ہوئی کہ لوگ اپنی جگہ کہتے تھے کہ خلد مکان کے وقت میں یہ وزیر تھے، اب تو گویا خود بادشاہ ہیں۔ اور واقعی بھی یہ تھا کہ جہاں دیکھو حکم معتمد الدولہ کا جاری ہوا۔ لیکن شعبدہ بازی فلکِ فریب پیشہ کی کب کسی کی فہم میں آتی ہے کہ پردۂ رُند یہاں تک سب کی آنکھوں میں چھا دیا کہ نظر آنا نیک بات کا یکسر موقوف ہو گیا اور بعض اراذل، کہ حضور میں نوابِ ممدوح کے حاضر رہتے تھے، لحاظ اور آدابِ شاہی بالکل موقوف کر کے سرِ دربار کلامِ بیہودہ و پوچ باہم کرنے لگے، اور خود بھی ایسے سرمستِ بادۂ پندار ہوئے کہ پند کو کسی ناصحِ خیر خواہ کے کان میں جگہ نہ دیتے تھے بلکہ جو کوئی کہ کچھ کہتا تھا، پیچھے اس کی شکایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لوگوں کو میری ثروت اور ترقی خوش نہیں آتی ہے، اور وہ اراذل، روز بہ روز بیہودگی میں ترقی کرنے لگے اور یہ بدوضعی اُن کی بادشاہ کے مزاج پر نہایت ناگوار گزرتی تھی۔

ایک دن بندے نے سبحان علی خاں صاحب سے کہا کہ یہ روش نواب صاحب کی اور یہ بے ادبیاں ان تمسخر پیشوں کی بڑی قباحت لائیں گی۔ انھوں نے مصلحتاً کہا کہ تم کچھ اپنی زبان سے نہ کہو کہ اس میں فائدہ نہیں ہے، بلکہ رنجِ تازہ پیدا ہوگا۔

بادشاہ کا بھی دل تنگ آیا اور خیال میں گزرا کہ کسی طرح اس مضیق سے رہائی لوں۔ ایک وقتِ مناسب پا کے کچھ صاحب کلاں رکٹ صاحب سے اس بات میں مشورہ کیا اور اس کی تحریر صدر کو بھی گئی۔ وہاں سے جواب آیا کہ بادشاہ کو اپنے ملازموں میں اختیار ہے۔ جسے چاہے رکھے اور جسے چاہے موقوف کرے۔ جب کہ مادّہ خوب مستعد ہو چکا اس کے بعد جنرل کمبر میر صاحب ۲۱ ویں جمادی الاولیٰ روزِ سہ شنبہ ۱۲۴۳ ہجری کو آئے۔ اس دن صلاح پخت و پز ہوئی، یعنی ان کی قید پر عزمِ مصمّم ہوا۔

۸ ویں جمادی الاخریٰ ۱۲۴۳ ہجری کو میر منشی یعنی میر غلام حسین فرستادۂ مسٹر مارڈنٹ رکٹس صاحب بہادر، کہ جن کو ہندستانی رکٹ صاحب کہتے تھے، بندے کے پاس آئے اور کہا کہ صاحب نے فرمایا ہے کہ تم نوکر بادشاہ کے ہو، اور صدر سے بھی یہی حکم آیا ہے کہ تم معتمد الدولہ بہادر کے زنہار شریک نہ ہونا کہ تمھیں غازی الدین حیدر بادشاہ نے نواب معتمد الدولہ کے سپرد کیا تھا، کچھ نوکر ان کے نہ تھے۔ بندے نے گزارش کیا کہ ہم بھی جانتے ہیں کہ بادشاہ کا حقِ نمک ہماری گردن پر ہے، لیکن اگر ہم نواب معتمد الدولہ کے شریک نہ ہوئے اور اس کے بعد جہاں پناہ نے بھی ہمیں نوکر نہ رکھا تو ازیں سو رانده و ازاں سو درمانده ہونا پڑا۔ لہٰذا صاف صاف کہا جاتا ہے کہ اگر رکٹ صاحب بہ اجازتِ جہاں پناہ ہماری کفالت کریں اور نسلاً بعد نسلٍ ہمیں اور ہمارے عزیز و اقربا اور مال و اموال و املاک کو اپنی سرکار کی حمایت میں لیں اور روزگار بھی ہمارا برباد نہ جائے تو جو حکم کہ ہوا ہے اسے بہ سر و چشم ہم بجا لاتے ہیں، ورنہ نواب معتمد الدولہ اپنے وثیقے میں ہمیں شریک کریں گے۔

میر منشی موصوف پھر گئے اور یہ جواب لے کے آئے کہ رکٹ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہم نے کہنا تمھارا قبول کیا اور خدا چاہے تو آگے سے بھی تمھاری عزّت زیادہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ امرِ غیر واجبی میں اس سرکار سے کسی کی حمایت نہیں ہوتی ہے۔ بندے نے گزارش کیا کہ امرِ غیر واجبی میں ہم بھی امیدوار اعانت کے نہیں ہیں، اِلّا ہم پر کوئی غیر واجبی کرے تو اُس میں سرکار سے حمایت ہو۔

اس کے بعد نویں تاریخ جمادی الاخریٰ ہفتے کے دن دوپہر کو رکٹ صاحب نے نوابِ ممدوح کو طلب کیا۔ یہ جب کہ رسیڈنٹی کی کوٹھی میں پہنچے، صاحب بہادر نے کہا کہ نواب معتمد الدولہ، تم اپنے عہدے سے بہ موجب حکم اپنے بادشاہ کے معزول ہوے اور محاسبے کے واسطے مقیّد ہوے۔

القصّہ رکٹ صاحب نے ہاتھی پر سوار کر کے ان کو گھر پہنچا کے اپنے پہرے بٹھا دیے اور تمام مال و اسباب کو تعلیقہ کر کے اُن پر بھی پہرے مقرر کر دیے۔

اسی حال میں رکٹ صاحب کی بدلی ہوئی اور لاکٹ صاحب بجاے ان کے آئے۔ ۱۱ویں جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ ہجری لاکٹ معزول ہو کے لکھنؤ سے روانہ ہوے اور تامس ہربرٹ مانڈک صاحب لکھنؤ میں آئے۔ نواب معتمد الدولہ بہادر کو من ابتداے ۹ویں جمادی الاخریٰ ۱۲۴۳ ہجری لغایت ۲۲ویں ربیع الآخر ۱۲۴۶ ہجری دو سال اور دس مہینے اور چودہ دن قید میں گزرے تھے کہ ۲۳ویں ربیع الآخر روز سہ شنبہ کو مانڈک صاحب نے انھیں کان پور کو روانہ کیا۔ ۲۷ویں کو مع حشم و خدم کان پور کو پہنچے۔ اس دن سے نہایت داد و دہش غربا کو شروع کی کہ تمام مردمِ کان پور اُن کے عاشق ہو گئے۔ اسی طرح پر ایک سال اور سات مہینے اور نو دن گزرے تھے کہ پانچویں تاریخ ذیحجہ کی اور سنہ ۱۲۴۷ ہجری مطابق ۲۲ویں بیساکھ ۱۲۳۹ فصلی اور دن دوشنبے کا تھا کہ بیمار ہوے اور دوسرے دوشنبے کو انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب کہ یہ خبرِ وحشت اثر اس بندے کے گوش زد ہوئی کہ اُس آفتابِ آسمانِ جود

نے مغربِ فنا میں منھ چھپایا، روزِ روشن اس بندے کی آنکھوں میں تاریک ہو گیا۔ تمام شب بے قراری میں گزری۔

اُن دنوں ایک تو بے کاری اور دوسرے ایسا شفیق اور غم خوار دفعۃً دنیا سے اُٹھ گیا، بس عجب حالت ہوئی کہ گویا میں آپ کو زندہ درگور پاتا تھا اور کوئی دم آرام و قرار نہ تھا۔ غرض کہ اسی رنج و الم میں چار مہینے گزرے کہ عنایتِ پروردگار سے بارہویں تاریخ ربیع الآخر (۱۲۴۸ھ) کو بریغ دست خطِ خاص نصیر الدین حیدر بادشاہِ جم جاہ طلب میں اِس ذرّۂ بے مقدار کی پہنچا۔ خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ فلانے زود خود را بہ خاطر جمعِ تمام نزدِ ما بدولت رساند۔

پس بہ مجرّدِ ورودِ فرمانِ عالی شان بندہ سوار ہو کر درِ دولت پر پہنچا اور بہ وساطت وزیر الممالک روشن الدولہ بہادر کے ملازمتِ بادشاہی سے سرفرازی حاصل کی۔ حکم حاضر باشی کا ہوا اور بادشاہ نے جو کہ لائقِ شان بادشاہوں کے چاکروں کے حق میں چاہیے وہ اس بندۂ ہیچ میرز کے حق میں فرمایا۔

شرح اس بیان کی با تمام کب ہو سکتی ہے، مطلب فقط اتنا تھا کہ کچھ حال اپنا اور دوستوں کا بھی شامل اس اوراق کے یادگار رہے، اس لیے اس قدر لکھا گیا، والّا خارج از مطلبِ کتاب یہ بھی کچھ ضرور نہ تھا۔

نواب امیر خاں اور نابینا حافظ

(منقول از دیباچۂ بستانِ حکمت)

معمول اُس رئیسِ باتدبیر کا تھا کہ اکثر شب کو بہ لباسِ سپاہیانہ سیر اپنے لشکر کی کیا کرتا تھا تا حقیقتِ حال سے اہلِ لشکر کی مطلع ہو اور وہ ستم رسیدہ، کہ پہنچا جن کا درِ دولت تک نہیں ہو سکتا اور اظہارِ حال اُن کا سبب مروّت زبردستوں کے کوئی عرض نہیں کر سکتا ہے، شاید کہ وہ زار نالی اپنی مظلومیت کی اپنی جگہ کرتا ہو، اور میرے گوش زد ہو تو دن کو کسی حیلے سے بلوا کے دادرسی اس کی کروں، کہ چارہ سازی ستم رسیدوں کی باعثِ خوشنودیِ پروردگارِ عالم ہے۔

اتفاقاً ایک شب گذرا اس سردارِ عالی وقار کا مسجد کی طرف ہوا کہ وہ مسجد خیمے کی ہمیشہ قریب اس کے درِ دولت کے نصب کی جاتی تھی اور اس میں اکثر علما اور حفّاظ رہا کرتے تھے۔ اُس جگہ پسِ قنات آکر کھڑے ہوئے۔ چنانچہ دو حافظِ نابینا کہ اُس عرصے میں واردِ مسجد تھے، وہ دونوں آپس میں خوش طبعی کر رہے تھے۔ اور اُس دن لشکر موضعِ ریوری دیوری پر کہ ملک مالوے میں ہے، وارد تھا، اور نوابِ عالی جاہ اُس دم پسِ قنات کھڑے سنتے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ:

"حافظ جی! تمھیں شوق نسواں سے بھی ہے؟ اور کچھ تمنّا نکاح اور شادی کی بھی دل میں رہتی ہے؟"

اُس نے کہا کہ:

"بابا! میں بے چارہ نابینا، اور مفلوک و بے خانماں کو کون اپنی بیٹی دے
اس نعمت سے خدائے کریم نے ہمارے امثال کو بے نصیب کیا ہے۔" اور یہ شعر
گویا اُس نے پڑھا (شعر):

مری مُشکل کُشائی غیر ممکن ہے، کہوں کس سے؟
مگر مشکل کشا مشکل کشا ہو میری مشکل کا

دوسرا نابینا، کہ خوش طبع بھی تھا، اُس نے کہا کہ:
"بھلا کسی شخص پر آپ کی طبیعت بھی مائل ہے؟"
اوّل اُس نے انکار کیا، پھر بعدِ قیل و قالِ بسیار کہا کہ:
"جس وقت خیرات تقسیم ہوتی ہے اور فلانی فقیرنی کی بیٹی اپنا حصّہ قاسمِ خیر
سے طلب کرتی ہے تو اس کی آواز مجھے نہایت خوش آتی ہے، بلکہ ایک حالتِ عشق آ
کی خوش لہجگی پر مجھے رہا کرتی ہے اور کوئی آن اس کی تصویرِ خیالی میری چشمِ تصوّر
جُدا نہیں ہوتی ہے، بہ قولِ شاعر (شعر):

تصوّر میں ہو اُس سے دو بہ دو ہم کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم"

القصّہ جب یہ حکایت اُن کی تمام ہوئی تب اُس رئیسِ نام دار نے اُس جگہ
سے مراجعت کی اور اپنے خیمے میں آکر مع حشم و خدم رئیسانہ موافق معمولِ ہر روزہ
مسجد میں تشریف لائے، اور اِس عاصی مولّف کو، کہ اُن دنوں خدمت میں اُس ا
کی حاضر تھا، بُلایا اور کان میں یہ ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ:
"جس وقت سے یہ حکایتِ مایوسانہ اُس کی میرے گوش زد ہوئی ہے، عجب
طرح کا ایک دردِ نہانی میرے حوالیِ قلب پر مستولی ہے۔" اور یہ مصرع میرزا محمد تقی ذ
ترقی کا پڑھا (مصرع):

"مرا جلتا ہے جی، گرتی ہے بجلی جس کے خرمن پر

اس لیے چاہتا ہوں کہ اسی دم اس کا نکاح کر کے یہ آرزو اس کی بر لاؤں، یعنی اس
گدا زادی کو اس کی ہم خوابہ کروں۔"

یہ کہہ کر فرمایا کہ:

"تم اس کی ماں کو بلوا کر سمجھاؤ کہ یہ تیری دختر میری دختر ہے، اور اس حافظ
نیا کو بھی میں نے اپنی فرزندی میں لیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ اِسی شب ان دونوں کا
ح کر دوں اور تمام عمر ان دونوں کی پرورش و کفالت مانند فرزندوں کے کیا
وں۔ اور تو جو مانگے سو اسی دم تجھے عطا کر دوں۔"

اِس عاصی نے قریب مسجد کے اُسے بلوا کے ہر چند سمجھایا، اور آپ بھی بہ آوازِ
دور سے اس کی تالیف فرماتے تھے، لیکن وہ یہی عذر کرتی تھی کہ فقط یہی ایک
زچراغِ چشم زندگانی میری بساطِ عمر میں ہے، کیونکر دیدہ و دانستہ اسے چاہِ تاریک
ڈالوں، یعنی نابینا کے حوالے کر دوں؟

جب یہ قصّہ طول کھنچا اور انکار اس کا حد سے درگزرا تب اُس عالی جاہ
یہ فرمایا کہ:

"یارو! تم سب حسبۃً للہ اسے سمجھاؤ کہ میں زیور اپنی ازواج کا اسی دم اس
یٹی کو دیتا ہوں اور اپنے فرزندوں سے زیادہ تمام عمر اس کی کفالت کروں گا۔ اگر
پر بھی یہ نہ مانے گی تو میری ایک خواص ہے، کہ ان دنوں میرا دل وابستۂ سلاسلِ محبت
کا ہے اور کوئی زیادہ اس سے محبوب اور عزیزِ دل میرا آج سرادقاتِ عصمت
نہیں ہے، اسی وقت اسے طلاق دے کر اس حافظ کے ساتھ نکاح کر دوں گا۔
تاکہ نکاح اس کا نہ کر دوں گا، آبِ سرد اور نانِ گرم مجھ پر حرام ہے۔"

بعض شخصوں نے کہا کہ:

"یہ یوں نہ مانے گی۔ اندکے چشم نمائی اسے کیجیے تو جلد مان جائے گی۔"

اس پر نواب نے فرمایا کہ:

"اے صاحب! یہ کیا بات ہے کہ کام کروں للہ اور ارادہ کروں جبر کا؟
ذاللہ! میرا تو عمل مولف کی اس بیت پر ہے (ملوّفہ، بیت):

برابر مذہب عشاق میں کہتے ہیں دونوں کو کسی کے دل کو توڑا، یا در بابِ حرم توڑا"

اب اس کی ہمّتِ عالی پر اس کلام سے قیاس کیا چاہیے کہ اس زمانے میں حسبۃً للّٰہ کسی شخص کی ایسی نیت اور ہمّت دیکھی یا سُنی ہے؟ بعد سننے اس کلام کے سنّاٹا مجلس کا عجب حال ہوا کہ ہر ایک زار زار روتا تھا اور بہ منّت اس گدائی پیشہ کو سمجھاتا تھا کہ:

"اے بدنصیب! یہ کیا کرتی ہے اور کیوں تیشہ اپنی بیٹی کے پاؤں پر مارتی ہے اور نعمتِ عظمیٰ سے آپ کو اور اپنی فرزند کو محروم رکھتی ہے؟"

آخرِ کار نتیجہ ہمتِ عالی کا رائگاں نہیں جاتا ہے۔ اُسی دم موثّرِ حقیقی نے کہنے والوں کے کلام کو تاثیر بخشی، یعنی وہ راضی ہوئی۔ اور اُسی دم زیور اور پوشاک اپنے محل کی لاکر اور اُسے پہنا کر اُسی شب ساتھ اُس حافظ کے نکاح کر کے اور ایک خیمہ استادہ کر دلے کے اور اپنا پلنگ بچھوا کے اور دونوں کو سُلوا کے نگہبانوں کو حکم دیا کہ دور دور خیمے کے نگہبانی کریں تاکہ اوباشِ لشکر سے کوئی خیمے کو نہ جھانکے۔ اور یہ کہہ کر ہنسے اور فرمایا کہ:

"اندھے کی جورو کا اللہ نگہبان ہے!"

بعد اس کے نابینا نے دعا دی اور یہ شعر موتّف کا پڑھا (شعر):

بہ رنگ خوشۂ انگور تھیں لاکھوں گرہ دل میں
کھُلا اک جام سے ساقی کے عقدہ میری مشکل کا

یہ سُن کے بہت مسرور ہوئے اور شاداں شاداں متوجہ خادمانِ محل کے ہوئے۔

حکایات
بُستان حکمت
(حکایتوں کے عنوان مرتّب کی طرف سے ہیں)

۱۔ دو بلّیاں

ملکِ ختا میں ایک پیرزال تھی، نہایت کہن سال اور مفلس اور ضعیف الحال۔ ایک گھر رکھتی تھی کہ تنگ تر تھا جاہلوں کے سینے سے اور تیرہ تر تھا بخیلوں کی گور سے۔ اور اُس بڑھیا نے ایک بلّی پالی تھی، لاکن تہی دستی سے خبر گیری اس کے طعمے کی قرار واقعی نہ کر سکتی تھی۔ جو کچھ اسے میسّر ہوتا تھا بہ قدرِ حصّہ اس کو بھی دیتی تھی۔ اور بلّی بھی پیرزال کی مصاحبت میں اسی حال سے بسر کرتی تھی باوجودے کہ روئے نان چشمِ خیال سے بھی نہ دیکھتی تھی، بلکہ نامِ نان بھی گوشِ توہّم سے کسی کی زبان سے نہ سُنتی تھی۔ اگر کبھی موش سوراخ سے نکل کے نزدیک اُس کے گذرتا تھا تو دونوں پنجوں میں اسے لے لیتی تھی و اِلّا طاقت جَست کی بھی نہ رکھتی تھی لیکن (مصرع):

رزق را روزی رساں پر می دہد

بہ قدرِ بقائے حیات ہفتے میں دو ایک بار پروردگار ایسا شکار نصیب اُس گربۂ ناتوان و زار کے کر دیتا تھا کہ مرتی نہ تھی۔

القصّہ ایک دن یہ گربہ بہ زحمتِ تمام بالائے بام چڑھی۔ دیکھتی کیا ہے کہ دیوارِ ہم سایہ پر ایک گربۂ فربہ مانندِ بچۂ شیر بہ کمال قوّت و طاقت آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی آتی ہے۔ گربۂ پیرزن لاغری اپنی اور فربہی اُس کی دیکھ کر متحیّر ہوئی۔ یہ جانتی تھی کہ سب بلّیاں میری ہی مانند ہوتی ہیں، پکاری کہ:

"اے خواہرِ ہم جنس! اس طاقت اور لطافت کا کیا سبب ہے؟ مگر تو خانِ ختا کی مہمان ہے و یا باعث اس طاقت و لطافت کا کوئی اور چیز ہوئی ہے؟"

گربۂ ہم سایہ نے جواب دیا کہ:

"میں ہر شام و پگاہ بارگاہِ سلطان میں حاضر رہتی ہوں۔ جب کہ دسترخوان بچھایا جاتا ہے تو جرأت کر کے بہ یک حملہ پارۂ گوشتِ چرب و فربہ لے بھاگتی ہوں اور اُسے کھا کر آٹھ پہر مرفہ الحال رہتی ہوں۔"

گربۂ پیرزن نے کہا کہ:

"گوشتِ فربہ کسے کہتے ہیں اور نانِ مائدہ کس کا نام ہے؟ میں نے مدت العمر میں سوائے دال و یا شوربائے پیرزال و یا گاہ گاہ گوشتِ موش نام تیسری چیز کا نہیں سُنا ہے۔ خدا جانے تو سچ کہتی ہے یا مضحکہ کرتی ہے۔"

گربۂ ہم سایہ ہنسی اور کہا:

"تجھے عنکبوت، بلکہ تارِ عنکبوت کہا چاہیے۔ جس ہیئت و ہیکل سے کہ تو ہے، ہماری جنس کے واسطے ننگ ہے۔ (بیت مولفہ):

گرچہ تو بلّی ہے، ملتا ہی نہیں پر تجھ کو قوت
اس لیے ہیں دست و پا تیرے بہ شکلِ عنکبوت

اگر تو بارگاہِ سلطان اور اس کا دسترخوان دیکھے اور اُن لذیذ نعمتوں کی خوش بو تیرے دماغِ کثیف تک پہنچے تو غالب ہے کہ بہ حکمِ یُحْیِی الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیمٌ پردۂ غیب سے حیاتِ تازہ اور لطافتِ بے اندازہ تیرے نصیب ہو جائے (بیتِ ناسخ):

بوئے طعامِ خوش دمِ عیسیٰ سے کم نہیں
آئے گی جان جان میں، گو دم میں دم نہیں"

بڑھیا کی بلّی نے کہا کہ:

"اے خواہرِ مہربان! میرا بھی تجھ پر حقِ ہم سایگی اور ہم جنسی ہے۔ اگر شرطِ مروت بجا لائے تو مفت کرم داشتن ہے کہ مجھے اپنے ساتھ خوانِ سلطان پر لے چل۔ شاید بہ دولت تیری میں ناتواں بھی توانا ہو جاؤں اور تیری صحبت کی برکت سے حیات

دوبارہ پاؤں۔"

گربۂ ہم سایہ نے جب کہ منّتیں اُس کی سُنیں، رحم کھایا اور وعدہ کیا کہ:

"تیرے بغیر آج خوانِ سلطان پر حاضر نہ ہوں گی۔"

گربۂ پیرزن اِس وعدے سے خُرسند ہوئی اور یہ ماجرا پیرزن سے بیان کیا۔ پیرزن نے نصیحت کی کہ:

"اے رفیقِ دم ساز! اہلِ دنیا کی باتوں پر فریفتہ نہ ہو اور گوشۂ قناعت کو ہاتھ سے نہ چھوڑ کہ کاسہ حرص کا سوائے خاکِ گور کسی چیز سے بھرتا نہیں ہے اور دیدۂ آرزوے دنیا سوائے رشتۂ سوزنِ فنا سیا نہیں جاتا ہے (مثنوی)

قناعت توانگر کند مرد را　　خبر دہ حریصِ جہاں گرد را
خدا را نہ دانست و طاعت نہ کرد　　کہ بر بخت و روزی قناعت نہ کرد"

دل میں گربہ کے خوانِ بادشاہ کی ہوس ایسی سمائی تھی کہ پندِ پیرزال کو کچھ مال نہ سمجھی۔

القصّہ دوسری شب ہم سائے کی بلّی کے ساتھ اُفتاں و خیزاں سلطانِ ختا کی بارگاہ تک پہنچی۔ اس سے پہلے کہ گربۂ پیرزال پہنچے کہ اُس کی سُستیِ طالع نے ایک بلائے چُست کو برپا کیا تھا، یعنی شبِ گذشتہ بلّیوں نے خوانِ سُلطان پر ازبس کہ ہجوم کر کے یہاں تک شور و غوغا برپا کیا تھا کہ مہمان اور میزبان دونوں تنگ آئے تھے۔ اِس لیے خانِ ختا نے بہ تاکیدِ اکید حکم دیا تھا کہ پیش ازیں کہ دسترخوان بچھایا جائے، تیر اندازِ سخت کماں، قادر انداز جمع ہوں اور سُوفار تیروں کے چلّوں میں دے کر کمیں گاہ میں منتظر رہیں۔ جب کہ کوئی بلّی نظر آئے، پیکانِ زنبور نیش سے جگر اس کا ریش کریں۔ گربۂ پیرزال، بے خبر اس حال سے، جب کہ بوے طعام اس کے دماغِ ناکام میں پہنچی، بے اختیار مگس وار دسترخوان پر گر پڑی۔ ہنوز پلّۂ میزانِ اشتہا اُس کا لقمۂ گراں سنگِ طعام سے ہم وزن نہ ہوا تھا کہ تیرِ جگر دوز اس کے دونوں پہلوؤں سے گذر گیا (مثنوی):

چکاں خونش از استخواں می دوید

ہمی گفت واز ہولِ جاں می دوید

کہ "گر رستم از ریشِ ایں تیر زن

من و موش و ویرانۂ پیر زن" (۴۵،۴۶)

۲۔ سالم اور غانم

دو رفیق تھے دم ساز۔ ایک کو سالم کہتے تھے اور دوسرے کو غانم۔ باہم راہ و منازل طے کرتے جاتے تھے کہ گذر اُن کا ایک کوہ کے نزدیک ہوا کہ قلّہ اس کا شبرنگِ فلک سے عناں بہ عناں رہتا تھا اور کمر اُس کوہ کی منطقۃ البروج کے ساتھ رکاب در رکاب تھی۔ دامن میں اُس کوہ کے چشمۂ آب تھا کہ صفا میں مانند رُخسارۂ تازہ رویانِ گل عذار اور حلاوت میں مانند سخنِ شکّریں لبانِ شیریں کار کے تھا۔ متّصل اُس چشمے کے ایک حوضِ کلاں بنایا تھا، اور اس کے گرد درختِ سایہ دار شاخ در شاخ دست و بغل ہو رہے تھے (مثنوی):

گلوں پر اس روش سے پیچِ سُنبل

کہ جیسے عارضِ جاناں پہ کاکُل

ہر اک سو جلوہ گر تھے سرو و شمشاد

کہ جیسے جمع ہوں خوش رو پری زاد

تر و تازہ بنفشہ اور ریحاں

بہ رنگِ خطِّ مشکیں عنبر افشاں

بہ رنگِ چشمِ فتاں چشمِ نرگس

بہ از چشمِ غزالاں چشمِ نرگس

القصّہ وہ دونوں رفیق بادیۂ ہولناک سے نکل کے اُس منزلِ پاک کو پہنچے۔ جلسے خوش اور منزلِ دل کش پائی۔ چند ساعت قرار پکڑا۔ جب کہ حواس درست ہوئے، گرد اُس حوض کے پھرنے لگے۔ ناگاہ دیکھا کہ کنارے حوض کے

نگِ سپید نصب کیا ہے اور چند سطریں خطِ سبز سے اُس پر ایسی خوش خط لکھی ہیں
سوائے قلمِ قدرت صفحۂ حکمت پر اور کوئی ایسا نقش نہیں کھینچ سکتا ہے۔ اور
مضمون اُس کا یہ ہے کہ:

"اے وارد و صادر اِس حوض کے! اگر تو نے اس منزل
کو مشرّف کیا ہے تو آگاہ ہو کہ ہم نے مہمانِ عزیز کی مہمان داری
کی تدبیر، جیسا کہ چاہیے، کر رکھّی ہے۔ مگر شرط اس کی یہ ہے کہ سربازی
کر کے پاؤں اس چشمے میں ڈالے اور گرداب اور غرقاب سے ہول
نہ کرے، اور جس طرح سے کہ ہو سکے پار اس چشمے کے پہنچے، اور
پایانِ کوہ میں کہ شیر سنگ کا بنا ہوا رکھا ہے، اُسے دوش پر رکھ کر
بلا تامّل ایک حملے میں بالائے کوہ پہنچے، اور نہیب سباع جاں شکار
سے، کہ پیش آئے، اور خلشِ خارہائے جگر دوز سے، کہ دامن گیر ہو،
ہرگز نہ ڈرے اور اپنے کام سے باز نہ رہے۔ پھر دیکھیے کہ کیا
لطیفۂ غیبی پیش آتا ہے اور جلوہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کا کیا
ظہور پکڑتا ہے (بیت):

تا رہ نہ رود، کسے بہ منزل نہ رسد
تا جاں نہ کند، بہ عالمِ دل نہ رسد"

جب کہ اس مضمون پر مطلع ہوئے، غانم نے سالم سے کہا کہ:

"اے برادر! دل چاہتا ہے کہ اس راہِ خطرناک میں مجاہدۂ مردانہ عمل میں
ؤں اور اس طلسم کی حقیقتِ حال کو کوششِ تمام سے واشگاف کروں، جیسا کہ
شاعر نے کہا ہے (بیت):

یا تو سر دیتے ہیں یا لیتے ہیں دلبر اپنا
آج قصّہ ہی چکا لیتے ہیں چل کر اپنا"

سالم نے کہا کہ:

"اے یارِ عزیز! بہ مجرد مطالعے ایسے خط کے، کہ حقیقت جس کے رقم اور راقم کی مطلق معلوم نہ ہو، مرتکب خطرِ عظیم کا ہونا اور بہ تصوّر فائدۂ وہمی اور منفعتِ خیالی کے مہلکۂ بزرگ میں پڑنا دلیل ہے جہلِ مرکب کی۔ کسی عاقل نے بہ امیدِ تقویت تریاقِ زہر کو نہیں کھایا ہے، سو کون سا تریاق، کہ بہ جُز گمان حقیقت اس کی بھی موجود نہیں ہے۔ اور کسی خردمند نے نقد کو نسیہ سے بدلا نہیں ہے۔"

غانم نے کہا کہ:

"اے رفیقِ مشفق! سُستی اور کاہلی کام پست ہمّتوں کا ہے، اور اختیار کرنا محنت کا نشان دولت کا ہے (بیت):

ہر کہ آسودگی و راحت جُست — دلِ خود را زبخت شاد نہ کرد
واں کہ ترسید از جفائے خُمار — قدحِ بادۂ مُراد نہ خورد

مردِ بلند ہمّت گوشے اور توشے پر قناعت نہیں کرتا ہے بلکہ تا پایۂ عالی کو نہ پہنچے، دستِ سعی باز نہیں رکھتا ہے۔ اور بے رنج گنج ہاتھ آنا بہت کم ہوا ہے اس لیے گلگونِ عناں برداشتہ میری ہمّت کا روکے سے نہ رُکے گا اور اس گردابِ بلا سے بلا اندیشہ عبور کرے گا۔"

سالم نے کہا کہ:

"اے برادر! فرمانا تیرا مسلّم، مگر ایسی راہ میں قدم مارنا کہ پایان جس کا نہ ہو اور ایسے دریا میں تیرنا کہ کنارہ جس کا دیکھا کیا بلکہ سُنا بھی نہ ہو، طریقِ خرد سے دور ہے، اور عاقل وہی ہے کہ جب ابتدا کسی کام کی کرے، مدخل اور مخرج اس کا بہ فحوائے قَدِّمَ الخُرُوجَ قَبلَ الوُلُوجِ یعنی دخول سے پہلے خروج کو سمجھ لے اور آغاز و انجام ہر کام کا بہ واقعی دریافت کر کے اور اس کے نفع اور ضرر کو میزانِ عقل میں خوب ساتول کے اس کے بعد عمل میں لائے تا رنج بیہودہ نہ کھینچے اور عمرِ عزیز کو بربادِ فنا نہ کرے۔ اے برادر! حکمائے نصیحت شعار نے کہا ہے پہلے جائے استوار دیکھ لے، بعد اس کے قدم رکھے، اور جب کسی مکانِ حصیں

ں در آئے، پہلے راہ باہر نکلنے کی مقرر کر لے اور یہ خطِ سبز زنہار عمل کے
ابل نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ خط بہ طور تمسخر اور واسطے استہزاء حمقا کے
کھینچا گیا ہو، اور کیا بعید ہے کہ اس چشمے میں ایسا گرداب ہو کہ اس میں پڑ کے
نکل نہ سکتا ہو، اور بالفرض اس سے نجات بھی ملے تو شیرِ سنگین ایسا بھاری ہو کہ
ٹھنا اس کا قوت بشری سے باہر ہو۔ اور اگر بر تقدیر فرض یہ سب ہو پر نتیجہ ان
ہلکوں اور مشقتوں کے اختیار کرنے کا معلوم نہیں کہ کیا ہے۔ کاش وہ فائدہ بھی
ھا ہوتا کہ ہوسِ خام نتیجہ بھی اس کا مدِ نظر رکھتے۔ صاف یہ ہے کہ اس معاملے میں
ہرگز میں تیرا شریک نہیں ہوں، بلکہ تجھے بھی منع کرتا ہوں۔"

غانم نے کہا:

"استغفر اللہ! میں تجھے کب شریک اپنا بناتا ہوں اور تیرے منع سے کب
پنی ہمت اس عزیمت سے پست کرتا ہوں؟ اب میں نے عہد خدا سے کیا ہے
لہ وسوسۂ شیطان سے ہرگز باز نہ رہوں گا۔ اور تجھے بھی معذور جانتا ہوں کہ تو قوت
ور ہمت میری ہم راہی کی نہیں رکھتا ہے، لاکن دور سے تماشا تو دیکھ اور دعا سے
یری مدد کرتا رہ۔ دیکھ تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔"

سالم نے کہا کہ:

"اے برادرِ عزیز! سمجھا میں کہ تو اپنے ارادے سے باز نہ رہے گا اور
س ناکردنی کو مقرر کرے گا۔ میں جیسا کہ تیری ہم راہی کی قوت نہیں رکھتا ہوں ایسے
ی اس کارِ ناملایم کے تماشے کی بھی اپنے میں طاقت نہیں پاتا ہوں کہ تو دیدہ و دانستہ
ہلکے میں پڑے اور میں تماشا دیکھوں، استغفر اللہ! مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" یہ کہا اور
دیدۂ گریاں روانہ ہوا۔

اور غانم نے جان سے ہاتھ دھو کر اور لبِ چشمہ آ کر یہ شعر پڑھے (رباعی):

"دریائے خطرناک میں میں جاؤں گا
یا جان ہی کھوئی یا گہر پاؤں گا

یا کشتیِ امید لگی ساحل پر
یا لطمۂ طوفانِ بلا کھاؤں گا"

اور دامنِ ہمّت کو استوار باندھ کے بسم اللہ مجریہا و مُرسٰہا کہہ کر یہ شعر پڑھا (بیت):

دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفانِ شور افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مُرسٰہا"

اور جست کی۔ دیکھا کہ دریائے ہولناک ہے کہ ساحل جس کا مدِّ نظر سے دور ہے لیکن کریم کارساز کے کرم سے نزدیک ہے۔ ہمتِ مردانہ کو مطلق قاصر نہ کیا۔ آخر یقینِ کامل کی برکت سے کنارے چشمے کے جا پہنچا۔ دیکھا کہ وہ شیرِ گراں سنگ رکھا ہے۔ بسم اللہ کر کے دوش پر اُٹھایا اور بہ یک حملہ قلّۂ کوہ پر لے جا کے دوش سے اتارا۔ دیکھا کہ شہرِ بزرگ خوش ہوا و خوش فضا دور سے نظر آتا ہے (بیت):

شہرے چو بہشت از نکوئی چوں باغِ ارم بہ تازہ روئی

غانم نے بالائے کوہ قرار پکڑا اور اُس شہر کی طرف نگاہ کرتا تھا کہ ناگاہ اُس شیر نے آوازِ ہولناک باہزار مہابت بلند کی کہ زلزلہ کوہ پر ہو گیا اور وہ آواز اہلِ شہر کو پہنچی۔ شہری تمام جوق جوق غانم کی طرف روانہ ہوئے۔

غانم یہ ہجوم دیکھ کے متحیّر تھا۔ جب کہ وہ ہجوم قریب آیا، اشراف اُس گروہ کے غانم کی طرف متوجہ ہوئے۔ نزدیک آ کر دعا اور سلام شاہانہ بجا لائے اور مرکبِ راہ وار پر سوار کر کے اور شہر میں لا کے حمّام میں غسل دیا، اور انواعِ عطریات سے معطّر کر کے پوشاکِ بادشاہانہ پہنا کر تختِ سلطنت پر بٹھایا، اور عنانِ سلطنت غانم کے قبضۂ اختیار میں سپرد کر کے سب اطاعت اور فرماں برداری میں اپنے اپنے عہدے پر مستعد اور بہ دل و جاں مطیع اور فرماں بردار ہوئے۔

غانم عجائبِ قدرتِ الٰہی دیکھ کے متحیّر تھا۔ وزرا سے پوچھا کہ:

"یہ کیا طلسم ہے؟ بہ تفصیل اسے بیان کرو۔"

عرض کیا کہ:

"حکمائے زمانۂ سابق نے یہ چشمہ اور شیر، کہ دیکھا تم نے، طلسم سے آراستہ کیا ہے، اور اُس شیرِ سنگیں کو بہ انواعِ فکر و تامّل بہ ملاحظۂ طلوعِ درجات و بہ نظرِ ثوابت و سیّارات بنایا ہے۔ جب کہ بہ حکمِ ربِّ غیب داں کوئی شخص اس چشمے پر آنکلتا ہے اور امدادِ غیبی سے اِلقا اس بات کا اُس کے دل پر ہوتا ہے کہ چشمے کو طے کر کے شیر کو بہ موجب اُس تحریر کے، کہ سنگِ سرِ چشمہ پر لکھا ہے، دوش پر لے کر بالائے کوہ پہنچتا ہے اور وہ شخص ایسا ہی عمل کرتا ہے جیسا کہ تو نے، اے کامگار، عمل فرمایا، اور وہ کون سا زمانہ ہوتا ہے کہ اوّل بادشاہ اس شہر کا مر چکتا ہے؛ اس حال کے بعد ستارۂ حشمت جس نو دولت کا اس کوہ کی بلندی سے طلوع کرتا ہے، بعد اس کے جب آوازِ شیر اہالیِ سلطنت کے اور ارکانِ شہر کے کان میں پہنچتی ہے، بہ اکرام اسے بادشاہ بناتے ہیں۔ جیسا کہ مشاہدے میں شہریار کے آیا، اُسی طرح سے نوبت بہ نوبت ایک کی موت کے بعد نوبت دوسرے کی چلی آئی ہے۔ بہ موجب رُباعیِ ناسخ:

جاتا ہے جو ایک، دوسرا آتا ہے
یہ کہنہ مکاں نیا مکیں پاتا ہے
ہوتا ہے غروب چاند جب مغرب میں
سورج مشرق سے جلوہ دکھلاتا ہے

مدّتِ متمادی اسی طرح پر بسر ہوئی ہے کہ اس قاعدے نے اسی دستور پر، کہ مذکور جس کا ہو چکا، استمرار پایا ہے۔ اب یہ بادشاہی تجھے مبارک!"

غانم نے جانا کہ تقاضا اس محنت اٹھانے کا، کہ دفعۃً میرے دل پر غالب آیا، باعث یہی تھا کہ تقدیرِ الٰہی میرے فروغ کی باعث ہوئی تھی (بیت لمولفہ):

بختِ مسعود مددگار اگر ہوتا ہے — سنگ ریزے کو اٹھائے تو گہر ہوتا ہے (۶۳، ۶۴)

۳۔ تائب بادشاہ

زمانۂ ماضی میں ایک بادشاہ تھا ظالم، خوں خوار، ستم پیشہ، غریب آزار، کہ دستِ تعدّی دراز کیا تھا اور پائے طغیان جادۂ اعتدال سے باہر رکھا تھا۔ ایک عالم نے اُس کے لیے دستِ بددعا اٹھائے تھے اور زبانِ نفرین کھولی تھی۔

ایک دن یہ بادشاہ سیر و شکار سے پھر آیا اور منادی کی کہ:

"میں نے اپنی عمر شکستہ پایوں کی آزار رسانی اور ضعیفوں کی ایذا دہندی میں بسر کی اور خرابیِ آخرت میں کوشش کرتا رہا۔ اب توبۂ صادق کرتا ہوں اور عہدِ مضبوط باندھتا ہوں کہ بعد الیوم دستِ ظلم دامنِ رعایا تک نہ پہنچنے دوں گا۔ اور پاؤں کسی ستم گر کا کوچۂ برایا میں نہ پڑنے پائے گا۔ (بیت):

رعیّت کو دل تنگ رکھّے جو شاہ
نہ کیونکر رعیت ہو اس کی تباہ"

رعایا کو اس خوش خبری سے جانِ تازہ حاصل ہوئی۔ اور فقیرانِ ستم رسیدہ کا اس بشارت سے گلِ مراد باغِ امید میں شگفتہ ہوا۔ آخر نوبتِ عدالت اُس کی یہاں تک پہنچی کہ بچۂ آہو شیرِ مادۂ شیر بے خوف و خطر پیتا تھا اور موش گربہ کے ساتھ بازی کرتا تھا۔ القصّہ حال اس کے عدل کا یہاں تک پہنچا کہ بادشاہِ دادگر اُس کا لقب ہو گیا (بیت):

یہ رغبت اُسے معدلت پر ہوئی
دھویں کی نگہبان صرصر ہوئی

ایک ندیمِ بادشاہ نے وقتِ فرصت پا کے عرض کیا کہ:

"بادشاہِ عدالت پناہ کی عمر دراز ہو۔ سبب اس کا کیا ہے کہ مزاجِ اقدس دفعۃً ظلم و جفا سے احسان و وفا کی طرف مائل ہوا ہے؟"

بادشاہ نے فرمایا کہ:

"میں ایک دن شکار میں کوشش کر کے ایک درخت کے سائے میں

کھڑا ہو کر ہر چہار طرف نگاہ کرتا تھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ سگِ شکاری ایک روباہ کے پیچھے دوڑا، اور اس کا پاؤں پکڑ کے اتنا چبایا کہ استخوان ریزہ ریزہ ہو گئے۔ روباہ واویلا کرتی ہوئی ایک غار میں در آئی۔ وہ کتا تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک پیادے نے پتھر مارا۔ پاؤں اس کا بھی ٹوٹ گیا۔ پیادہ چند قدم چلا تھا کہ گھوڑے نے لات ماری۔ پیادہ بھی لنگڑا ہو گیا۔ گھوڑا تھوڑی دور گیا تھا کہ پاؤں ایک سوراخ میں پڑ گیا۔ نلی اس کے پاؤں کی بھی چور چور ہو گئی۔ جب کہ یہ تماشا دیکھا، اپنے دل میں سمجھا میں کہ مکافات بدی کی بدی ہے۔ دیکھا کہ کیا ان سب نے کیا اور کیا پایا؟ جو کہ اختیار کرے گا اس کام کو کہ نہ چاہیے، آخر دیکھے گا وہ چیز کہ جس سے راضی نہ ہوگا۔" (۷۴، ۷۵)

ACAA

۴۔ کوّا، سانپ اور گیدڑ

ایک زاغ نے کوہ میں آشیانہ کیا تھا، اور اُس آشیانے کے نزدیک سوراخ تھا کہ اُس میں ایک سانپ رہتا تھا کہ اُس کا آبِ دہاں زہرِ ہلاکت اور لعابِ بیخِ دنداں مُبطل حیات تھا۔ جب کہ یہ زاغ بچّے نکالتا تھا، سانپ کھا لیتا تھا۔ زاغ کے جگر میں صدہا داغ فرزندوں کی ہلاکت سے پڑ گئے تھے۔ جب کہ نوبت سانپ کی ستمگاری اور زاغ کی بے قراری کی حد سے درگذری، شکایت اس حال کی ایک شغال سے، کہ دوست اس کا تھا، کی کہ:

"میں اس زندگانی سے ہزار بار موت کو عزیز رکھتا ہوں کہ اس ظالمِ جاں شکار کے ہاتھ سے کوئی تدبیر نجات کی بہم نہیں پہنچتی ہے، اور حُبّ الوطن بھی نہیں چاہتی ہے کہ وطنِ موروثی کو چھوڑ دوں اور حمیّت بھی رخصت نہیں دیتی ہے کہ اپنے بچّوں کا عوض لیے بغیر اور طرف نکل جاؤں۔ اے یارِ وفادار! تو کچھ تدبیر بتا کہ میں اس بارِ غم سے سبک دوش ہوں۔"

شغال نے کہا کہ:

"تو نے بھی کچھ تدبیر اپنے دل میں اس کے دفع کی ٹھہرائی ہے؟"

زاغ نے کہا کہ:

"یہ تدبیر ہے کہ جب شب کو یہ سانپ خوب غافل ہو کر سو جائے تو منقار سے دونوں آنکھیں اس کی نکال لوں۔"

شغال نے کہا کہ:

"یہ تدبیر راہ صواب سے دور ہے۔ خردمند قصد دشمن کا اس طرح کرتے ہیں کہ خطرہ اپنی جان کا متصوّر نہ ہو۔ تو اس تدبیر کا ہرگز قصد نہ کرنا[1] کہ اکثر لوگ اپنے حیلے سے آپ ہلاک ہوئے ہیں۔ میں تجھے وہ صورت بتاؤں کہ اگر اس کے موافق کام کرے تو تیری بقا اور دشمن کی ہلاکت کا سبب ہو۔"

زاغ نے پوچھا کہ:

"وہ کیا ہے؟"

شغال نے کہا کہ:

"قریے کی طرف اُڑ کے جا اور چپ و راست نظر کر۔ جب کوئی چیز ایسی [ملے] کہ جسے تو اڑا سکتا ہو، منقار میں لے کر اُڑ، مگر اس طرح کہ آدمیوں کی نظر سے غائب نہ ہو جانا۔ غالب ہے کہ مالک اس چیز کا تیرا تعاقب کرے۔ جب کہ نزدیک مار کے پہنچے، اس چیز کو چھوڑ دینا۔ جب کہ یہ لوگ سانپ کو دیکھیں گے، اوّل کام اس کا تمام کریں گے، اُس کے بعد اُس چیز کو لیں گے اور تو بے رنج مشقّت دشمن سے مخلصی پائے گا۔"

بہ موجب مشورے شغال کے زاغ نے پرواز کی۔ دیکھا کہ ایک بام پر ایک عورت غُسل کرتی ہے اور کپڑے سب اُتارے رکھے ہیں۔ ان میں سے ایک

---

[1] یہاں پر شغال اپنی بات کی وضاحت میں ماہی گیر اور کچھوے کی حکایت بیان کرتا ہے جو اس حکایت کے بعد درج کی جا رہی ہے (نیّر مسعود)

کپڑا منقار میں لے کر اُڑا، اور لوگ پیچھے دوڑے۔ زاغ بہ موجب صواب دید شغال کے آہستہ آہستہ اُڑا جاتا تھا۔ جب کہ نزدیک سانپ کے پہنچا، منقار سے اُس کپڑے کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے آتے ہی کام اُس سانپ کا تمام کیا اور زاغ نے بلائے مار سے نجات پا کے یہ شعر شیخ ناسخ کا پڑھا (شعر):

دفع دشمن ہو گیا، اب اشکِ خوں پالا کہاں
درد سینے میں کہاں، ہونٹوں پہ اب نالہ کہاں

(۷۵، ۷۶)

۵۔ ماہی گیر اور کچھوا

ایک ماہی گیر تھا کہ کنارۂ دریا اختیار کیا تھا اور بنائے تلاشِ رزق مچھلیوں پر رکھی تھی، یعنی بہ قدرِ حاجت ہر روز مچھلیاں بیچ کے گذران کرتا تھا۔ جب کہ ضعفِ پیری نے اعضائے بدن میں جگہ پکڑی اور قوت نے جواب دیا اور قوتِ لایموت سے درماندہ ہوا اور شکار کی قوّت کچھ باقی نہ رہی، دامِ غم میں گرفتار ہوا اور دل میں کہتا تھا کہ افسوس عمر غفلت و اسراف میں بسر کی اور ایّامِ پیری کے واسطے کچھ ذخیرہ نہ کیا۔ آج، کہ قوت پیدا کرنے کی قوّت نہ رہی، کیا تدبیر کروں اور کس طرح باقی عمر بسر کروں؟ اب یہ بہتر ہے کہ دامِ شکار پھینک دوں اور دامِ فریب بچھاؤں۔ اس کے سوا کوئی تدبیر بن نہیں آتی ہے۔ غالب ہے کہ اس حیلے سے باقی عمر بسر ہو جائے۔

یہ فکر دل میں کر کے ایک دن اندوہناک آہ کرتا ہوا اور نالے بھرتا ہوا لبِ آب گیر آ بیٹھا۔ ایک کچھوے نے، کہ مدّت سے اس کا شناسا تھا، سر باہر نکال کے پوچھا کہ:

"اے یارِ عزیز! باعث تیری غمناکی کا کیا ہے کہ حد سے زیادہ تجھے نزار دیکھتا ہوں۔"

ماہی گیر نے کہا کہ :

"کیونکر غمناک نہ ہوں۔ تو جانتا ہے کہ میرا مایۂ زندگانی یہی تھا کہ اس آب گیر سے بہ قدرِ ضرورت ایک دو مچھلیاں شکار کر کے اُسی سے معیشت کرتا تھا۔ چنداں ضرر مچھلیوں کو بھی نہ پہنچتا تھا کہ پیدائش اور افزائش اُن کی بہت اور خرچ میرا تھوڑا ہے، سو آج ماہی گیرِ سلطانی، کہ اس راہ سے گذرے، آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ والیِ شہر کو ماہی کے شکار کا شوق پیدا ہوا ہے، اس لیے ہمیں خبر کو بھیجا ہے کہ جس جگہ مچھلیاں بہت ہوں، خبر لاؤ کہ وہاں چل کے شکار کروں۔ سو دریافت ہوا کہ اِس آب گیر میں مچھلیاں بہت ہیں۔ کل ہزاروں دام اس میں پڑ جائیں گے اور ایک مچھلی نہ بچے گی۔ یہ سُن کر میں نے ہر چند اُن سے سماجت کی کہ اس آب گیر سے رزق میرا چلتا ہے، بادشاہ کو اور آب گیر پر لے جاؤ اور میری پیری پر رحم کرو، انھوں نے ہرگز نہ مانا۔ سو میں اس غم میں مبتلا ہوں کہ کل اِن میں ایک ماہی باقی نہ رہے گی، پس میں کیا کروں گا اور کدھر جاؤں گا؟"

یہ سُن کر کچھوا آب گیر میں گیا اور یہ ماجرا مچھلیوں سے بیان کیا۔ خروشِ ماتم آب گیر میں پیدا ہوا۔ کچھوے کے ساتھ سب مچھلیاں ماہی گیر کے نزدیک آئیں اور کہا کہ :

"ہمیں کچھ راہِ نجات خیال میں نہیں آتی ہے۔ اب تجھ سے مشورہ پوچھتے ہیں۔ حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ یعنی مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے؛ اگرچہ دشمن بھی پوچھے تو اُسے صلاحِ نیک دے، چہ جا کہ نفع تیرا ہماری حیات میں شریک ہے۔ اب تو بتا کہ ہم کیا کریں اور کیونکر اس بلا سے بچیں؟"

صیّاد نے کہا کہ :

"وہ ماہی گیرِ بادشاہی ہیں۔ مجھے اُن سے صورت مقابلے کی ممکن نہیں ہے۔ اِلّا ایک تدبیر میرے خیال میں گذرتی ہے۔ اگر تم قبول کرو تو کوئی تمھارا

کچھ نہیں کر سکتا ہے، یعنی یہاں سے نزدیک ایک آب گیر ہے کہ پانی اُس کا صفا میں صبحِ صادق سے دم برابری کا مارتا ہے اور عکس اُس کا آئینۂ گیتی نما سے سبقت لے گیا ہے۔ دانۂ ریگ اس کی تہ سے صاف نظر آتا ہے اور اس قدر پانی ہے کہ کسی تدبیر سے اس کی تہ تک دام ماہی گیروں کا، بلکہ دامِ خیال بھی، پہنچ نہیں سکتا ہے۔ تم چل کر پناہ اُس میں لو۔ جب کہ بادشاہ آئے گا اور آب گیر کو خالی پائے گا، دام داروں کو سزا ملے گی اور آئندہ پھر کوئی قصد اس آب گیر کا نہ کرے گا۔ پھر تمھیں اختیار ہے؛ خواہ وہیں رہو، خواہ اپنے وطنِ قدیم کو مراجعت کرو۔"

مچھلیوں نے کہا کہ:

"صلاحِ نیک تو نے فرمائی، لیکن تیری مدد کے سوا ہم کیونکر وہاں پہنچیں گے؟"

ماہی گیر نے کہا کہ:

"جو کچھ میری قوّت سے ہو سکے گا، دریغ نہ کروں گا، مگر فرصت بہت کم ہے۔"

مچھلیوں نے زاری کی کہ:

"مددگاری ہماری ضرور فرما کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا ہے اجر احسان کرنے والوں کا۔"

صیّاد نے کہا کہ:

"تامّل کرو، کہ میں صیّادانِ بادشاہی تک جا کے ایک تدبیر کرتا ہوں۔ اگر بن آتی ہے تو تم سے دریغ نہ کروں گا۔"

ماہی گیر جا کر تھوڑے عرصے کے بعد آیا اور کہا کہ:

"میں نے ہزار حیلے سے انھیں ایک مہینا بھر باز رکھا ہے۔ جب تک وہ بادشاہ کو اور طرف شکار کھلوائیں گے، تب تک تم کو بہ دفعات اُس آب گیر تک پہنچا دوں گا۔ اب آؤ، دو دو، چار چار کو اپنے دوش پر رکھ کے پہنچا دوں۔"

یہ ہر روز چند مچھلیاں اس فریب سے لے جاتا تھا۔ ایک کو کھاتا تھا اور باقیوں کو بیچتا تھا۔ اور جب کہ یہ ماہی گیر لبِ آب آتا تھا، مچھلیاں ایک دوسرے پر پیشی کرتی تھیں اور چشمِ خرد اُن کے سہو اور غفلت پر روتی تھی اور کہتی تھی کہ جو فریبِ دشمن پر فریفتہ ہوگا اور خسیسِ بدگوہر کے قول اور فعل کا اعتماد کرے گا، انجام اُس کا بخیر نہ ہوگا، جیسا کہ کبیشرِ ہندی نے کہا ہے (دوہۂ ہندی):

بنتی پر اور بہنیت پر جو بیری کی تپائے
سو ترت ورڈار پر پھر پاچھے پچھتائے

جب کہ مچھلیاں بیشتر جا چکیں اور نوبت اُس کچھوے کی آئی، ماہی گیر سوچا کہ اِسے بھی بازار میں بیچے۔ کوئی چورنگ کے واسطے چند آنے کو لے لے گا۔ یہ سوچ کے کچھوے کو دوش پر لے چلا۔ جب کہ کچھوا سمجھا کہ اس نے راہ شہر کی لی معلوم کیا کہ اِس غدّار نے اسی مکّاری سے کام سب کا تمام کیا ہے۔ اب نوبت میری ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ جو وقتِ گریز باقی نہ رہے تو دست شمشیرِ تیز پر رکھنا ضرور ہے۔ اب کوشش کرنا چاہیے۔ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر کام دشمن کا تمام کیا تو نامِ مردانگی صفحۂ روزگار پر باقی رہا، اور اگر مر گئے تو بھی کوئی بے حمیّت نہ کہے گا (قطعہ):

چو خصم قصدِ تو کرد، از برائے دفعِ ضرر
بہ جدّ و جہد بکوش، ار بہ عقل مشہوری
اگر مراد بہ دست آیدت، بہ کام رسی
وگر بہم نہ رسد، آں زماں تو معذوری

اس کے بعد کچھوے نے جست کر کے حلق ماہی گیر کا محکم پکڑا اور چبانا شروع کیا۔ ماہی گیر ضعیف و پیر تھوڑے سے فشار میں تمام ہو گیا، اور کچھوے نے آب گیر کی راہ لی۔ جب کہ منزل کو پہنچا، ماجرا اپنا اور ماہی گیر کا بیان کیا اور ماہیانِ گذشتہ کی تعزیت کی۔ بعد باقی ماندوں کو تہنیت زندگانی کی دی۔ سب خوش ہوئیں اور

مچھلیوں نے حیات اپنی دوبارہ سمجھی اور یہ قطعہ تکرار کرتی تھیں (قطعہ):

مرگیا دشمن، کوئی دم شادمانی کیجیے

عمرِ آدم ہے جو دم بھر زندگانی کیجیے

مرگِ دشمن پر شماتت کیا، مگر شادی سے اب

زرد ہے غم سے جو چہرہ، ارغوانی کیجیے

(۷۵، ۷۶)

۶۔ گھریلو مُرغ اور شکاری باز

ایک دن باز شکاری مرغِ خانگی کے ساتھ مباحثہ کرتا تھا کہ:

"تو نہایت بے وفا اور بدعہد ہے، اور حکمائے نصیحت شعار کا اس پر اتفاق ہے کہ عنوانِ صحیفۂ اخلاص پسندیدۂ اہلِ وفا اس مضمون کے ساتھ ہے کہ اِنَّ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ مرد کو چاہیے کہ اس میں کوشش کرے کہ کوئی صفت اس کی صفحۂ بے وفائی پر لکھی نہ جائے۔"

مرغِ خانگی نے جواب دیا کہ:

"مجھ سے کون سی بے وفائی تو نے دیکھی ہے اور کیا بدعہدی سرزد ہوئی ہے؟"

باز نے کہا کہ:

"علامت تیری بے وفائی کی یہ ہے کہ آدمی تیرے حق میں اتنا الطاف کرتے ہیں کہ بے زحمت و تکلیف تجھ کو آب و دانہ، کہ مادۂ حیات اس سے متعلق ہے، دیتے ہیں اور رات دن تیرے حال کے خبرگیراں رہتے ہیں اور اُن کی بدولت گوشہ اور توشہ تجھے حاصل ہے، اور جب کہ ارادہ تیرے پکڑنے کا کرتے ہیں تو تو ایک بام سے دوسرے بام پر اور ایک گوشے سے دوسرے گوشے میں بھاگتا پھرتا ہے (بیت):

حق نمکے نمی شناسی
وز منعم خویش می ہراسی

اور میں، باوجودے کہ جانورِ وحشی ہوں، اگر چند روز آدمیوں کے ہاتھ سے طعمہ کھاتا ہوں تو اُن سے اُنس کرتا ہوں اور اُن کے حق کا خیال کر کے شکار اُن کو پکڑ دیتا ہوں۔ اور کتنا ہی دور پہنچتا ہوں، جب وہ آواز دیتے ہیں، پھر اُن کے پاس آجاتا ہوں (بیت):

مرغِ دست آموز را چنداں کہ کس دور افگند
با نشاطِ بال آید باز چوں گوید 'بیا'،

مُرغ نے جواب دیا کہ:

"سبب تیرے پھر آنے کا اور میرے بھاگنے کا یہ ہے کہ تو نے کسی باز کو سیخ پر بھُنتے نہیں دیکھا ہے، اور میں نے بہت مرغِ خانگی تابہ گرم پر بریاں دیکھے ہیں۔ اگر تو بھی یہ دیکھتا جو میں نے دیکھا ہے تو اُن کے نزدیک ہرگز نہ آتا۔ اگرچہ میں بام بہ بام بھاگتا ہوں، مگر تو کوہ بہ کوہ بھاگتا پھرتا۔"

۷۔ بندر اور پرند

کہتے ہیں کہ بندروں کی جماعت ایک کوہ میں رہا کرتی تھی۔ ایک شب برف باری بہت ہوئی۔ بے چارے قریب ہلاکت کے پہنچے۔ جائے پناہ ڈھونڈھتے تھے اور طلب میں آتش کی ہر طرف تگاپو کرتے تھے۔ ناگاہ ایک جگنو پڑا دیکھا۔ چنگاری سمجھ کے گرداگرد اس کے ہیزمِ خشک چُن کر منتظر آگ بھڑکنے کے بیٹھے کہ ایک درخت پر پرندۂ ذی فہم نے دیکھ کر آواز دی کہ:

"اے بندرو! یہ آگ نہیں ہے۔ کیوں اوقات ضائع کرتے ہو؟"

مگر انھوں نے کچھ التفات اس کے کلام پر نہ کیا اور اپنے کام سے باز نہ

رہے۔ قضارا ایک شخص اُس جگہ پہنچا اور اُس ماجرے سے آگاہ ہوا۔ اُس مرغ سے کہا کہ:

"تو کیوں پندِ بیہودہ اور بے محل کرتا ہے؟ یہ قومِ بوزینہ تیری نصیحت سے باز نہ رہیں گے بلکہ تجھے ضرر پہنچائیں گے۔ اور ایسے شخصوں کی تربیت میں سعی کرنا ایسا ہے جیسا کہ تلوار کو پتھر پر آزمانا اور زہرِ ہلاہل سے خاصیتِ تریاقِ فاروق طلب کرنا (بیت):

ہر کہ در اصل بد نہاد افتاد
ہیچ نیکی از و مدار امید
زاں کہ ہرگز بہ جہد نتواں ساخت
از کلاغِ سیاہ بازِ سپید"

مرغ نے جب دیکھا کہ بندر پند میری نہیں سنتے ہیں، گمان کیا کہ شاید دور سے اس انبوہ میں آواز نہیں پہنچتی ہے۔ نزدیک آکر نہایت شفقت سے سمجھانا شروع کیا۔ ہنوز مرغ کا کلام تمام نہ ہوا تھا کہ بندروں نے گردن مرغ کی تن سے جدا کی۔ (۸۵)

۸۔ دو شریک

کہتے ہیں کہ دو شریک تھے، ایک عاقل اور دوسرا غافل۔ ایک نہایت زیرکی سے نقشِ فریب بازی بر روی آب قائم کرتا تھا۔ اُس کا تیز ہوش لقب تھا۔ اور دوسرا فرطِ نادانی سے سود و زیاں میں فرق نہ کرتا تھا۔ اُس کو خرّم دل کہتے تھے۔ ان دونوں کو تجارت کا خیال ہوا۔ بہ اتفاقِ یک دیگر سفر اختیار کیا۔ طیِّ منازل و مراحل کرتے جاتے تھے۔ قضارا اثنائے راہ میں بدرۂ زر ہاتھ آیا۔ اس کو غنیمتِ بے کراں سمجھ کر متوقف ہو لیے۔ شریکِ دانا نے کہا کہ:

"اے برادر! جہان میں سود بے محنت بھی ہوتا ہے۔ اب اس بدرۂ زر پر قناعت کرنی چاہیے اور گوشۂ کاشانے میں فراغت سے بسر اوقات کرنا بہتر ہے (نظم):

چند گردی گردِ عالم بہرِ زر؟
بیش گردد زر، شود غم بیش تر
کاسۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شد
تا صدف قانع نہ شُد، پُر دُر نہ شد"

یہ صلاح کر کے دونوں پھرے اور شہر کے نزدیک پہنچ کر ٹھہرے۔ شریکِ غافل نے کہا کہ:

"اے برادر! اب اسے تقسیم کیجیے۔"

شریکِ عاقل نے کہا کہ:

"تقسیم کرنا ابھی مناسب نہیں ہے۔ بہ قدرِ ضرورت کچھ خرچ کو نکال لیں اور باقی کسی جگہ گاڑ دیں، اور بہ وقتِ ضرورت اسی طرح اُس میں سے تھوڑا تھوڑا لے جایا کریں تا آفتِ کوتوال وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ اور اگر ایک بار لے چلیں، خدا جانے کوئی نظر باز پہچانے تو آفت میں پڑ جائیں۔"

شریکِ غافل بے چارہ، مکر و فریبِ عاقل سے غافل، اُس کے افسوں پر فریفتہ ہوا اور افسانہ اس کا قبول کیا، اور کچھ تھوڑا سا لے لیا اور باقی بدرہ ایک درخت کے تلے دفن کر دیا، پھر شہر میں آ کر اپنے اپنے گھر میں قرار پکڑا۔ دوسری شب چرخِ شعبدہ باز نے صندوقِ حیلہ اس طرح پر کھولا کہ شریکِ دانا شب کو وہ بدرۂ زر کھود کر اپنے گھر لے گیا اور زمین کو بدستور برابر کر دیا۔

جب کہ شریکِ ناداں بے خرچ ہوا، اس کے پاس آ کر کہا کہ:

"میں اب بہت بے خرچ ہوں۔ چلیے، اور اس میں سے کچھ لائیے۔"

شریکِ عاقل نے تجاہل کیا اور کہا کہ:

"چلیے۔ مجھے بھی ضرورت ہے۔"

القصّہ یہ دونوں باہم نزدیک اُس درخت کے آئے۔ ہر چند اُس جگہ کھودا، کچھ نہ پایا۔ اُس تیز ہوش نے اِس نادان کے گریبان میں ہاتھ ڈالا کہ:

"تیرے سوا کون اس سے واقف تھا؟ تو ہی کھود لے گیا ہے اور مجھے احمق بناتا ہے۔"

ہر چند اس بے چارے نے قسمیں کھائیں اور اضطراب کیا، یہ کب مانتا تھا؟ لیکن یہ حقیقت میں اگر دانا ہوتا اور خموش ہو رہتا تو وہ شریکِ غافل بے چارہ غنیمت جانتا، لاکن کُتّے کو کب گھی ہضم ہوتا ہے۔ آخر دست و گریباں ہوا اور نوبت مجادلے سے محاکمے کو پہنچی۔ زیرک اُس غافل کو پکڑ کر قاضی کے گھر لایا۔ اور دعویٰ اپنا ظاہر کیا۔ سب مضمون قضیے کا سمعِ قاضی میں پہنچایا۔ اُس نے انکار کیا۔ غافل کے انکار کے بعد قاضی نے تیز ہوش سے گواہ طلب کیے۔ اس نے کہا کہ:

"اے قاضی! اُس درخت کے سوا، کہ جس کے نیچے زر گڑا تھا، اور میرا گواہ نہیں ہے۔ پر اُمیدِ غالب ہے کہ حضرت سبحانہٗ تعالیٰ قدرتِ کاملہ سے اُس درخت کو گویائی بخشے اور وہ گواہی دے تا اس خائن بے انصاف کی بے دیانتی پر، کہ سب زر لے گیا ہے اور مجھے محروم رکھا ہے، تمام عالم آگاہ ہو۔"

قاضی اس بات سے متعجب ہوا، مگر بعدِ قیل و قالِ بسیار یہ قرار پایا کہ کل قاضی اُس درخت کے تلے چلے اور گواہی درخت سے طلب کرے۔ اگر وہ گواہی دے تو اُس پر عمل کرے والّا خیر۔

شریکِ دانا اپنے گھر کو گیا اور یہ سب ماجرا اپنے باپ سے بیان کیا اور کہا کہ:

"اے پدرِ بزرگوار! میں نے آپ کی گواہی کے اعتماد پر یہ نہالِ حیلہ محکمۂ قضا میں بٹھایا ہے اور اس مہم کا تیری شفقت پر ادارہ کیا ہے۔ اگر تو

میرے ساتھ موافقت فرمائے تو یہ زر سب ہضم ہوتا ہے اور اس کا نصف اور حاصل ہوتا ہے۔ پھر بقیۃ العمر بہ آسایش بیٹھ کر بسر کیجیے۔"

باپ نے کہا کہ:

"وہ کون سی بات مجھ سے متعلق ہے؟"

بیٹے نے کہا کہ:

"اُس درخت میں ایک بڑا جوف ہے۔ شب کو چل کر اُس میں بیٹھ رہ۔ دن کو جب قاضی آکر پوچھے تو تو گواہی ادا کرنا۔"

باپ نے کہا کہ:

"اے فرزند! مکر و فریب کے خیال سے درگذر۔ اگر بہ فرضِ محال آج خلق سے حیلہ پیش لے گیا، مگر کل خالق کو کیونکر فریب دے گا؟ جیسا کہ مولف نے کہا ہے (بیت):

گواہی دے گا ہر اک عضو بر ملا اک دن
چھپا چھپا کے عبث ہم گناہ کرتے ہیں

بلکہ بسا اوقات دیکھا ہے کہ حیلہ صاحبِ حیلہ کو اکثر وبالِ جان ہو جاتا ہے اور اس کی جزا خود بہ خود حیلہ ساز کو پہنچتی ہے۔ اور یہ فقر و فاقہ ہمارا ساتھ راستی کے بہت اچھا ہے۔ کیا شعر مولف کا تو نے نہیں سنا ہے؟ (بیت):

ہے بہتر اطلسِ گردوں سے یہ پوشاک عریانی
ہمارے داغ سے نسبت نہیں تاجِ فریدوں کو

اے فرزند[1]! سرانجام حیلے کا گرفتاری و خواری ہے اور آخر کار مکر و فریب ندامت و خاکساری میں ڈالتا ہے۔ کسی نے مغیلاں سے بوے گل چکاں نہیں

---

[1] یہاں پر باپ بیٹے کو مینڈک اور نیولے کی کہانی سناتا ہے جو اس حکایت کے بعد درج ہے۔ (نیر مسعود)

بائی ہے (بیت):

نہ مکر و زور کا کرنا سر انجام
کہ ہوگا اس سے تیرا بد تر انجام"

بیٹے نے کہا:

"پدر! سخن کوتاہ کر اور اندیشۂ دور و دراز سے درگذر، کہ یہ کام تیری تھوڑی امداد سے منفعتِ بسیار بخشے گا۔ اور اگر میری ہلاکت پر راضی ہو تو ایسا کہ میں خود آپ کو ہلاک کروں۔"

وہ بے چارہ کچھ حرصِ مال سے اور بہت محبتِ فرزند سے دین و دیانت سے منحرف ہو کر بادیۂ ضلالت و خیانت میں سرگشتہ ہوا اور مصداق اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ کا ظہور میں آیا۔ آخر کار حق شناسی کو طاقِ نسیاں رکھ کر وہ راہ، کہ شرع اور عرف میں ممنوع اور محظور ہے، اختیار کی، یعنی اُسی شب تیرہ میں بہ موجب ایمائے فرزند با دلِ مکدّر جوفِ درخت میں جا بیٹھا۔

صبح کو قاضی مع جمِ غفیرِ شہریاں زیرِ درخت وارد ہوا اور خلقِ خدا نظارۂ اثبات کے واسطے صف باندھ کے کھڑی ہوئی۔ قاضی نے حسبِ اظہارِ مدّعی درخت سے گواہی طلب کی۔ درخت سے آواز آئی کہ:

"اُس زر کو خرّم دل، کہ غافل لقب رکھتا ہے، لے گیا ہے۔ اور تیز ہوش، کہ شریک اس کا ہے، ظلم کیا ہے۔"

یہ سُن کر سب متعجّب ہوئے، مگر قاضی نے فراست سے دریافت کیا کہ یا درخت میں کوئی سر ہے، پر سوائے تدبیرِ صائب کے معلوم نہ ہوگا (بیت):

سرِّ ہر نقش کہ از چشمِ خرد، پنہان است
جز در آئینۂ تدبیر نہ گردد ظاہر

قاضی نے حکم کیا کہ بہ کثرت ہیمۂ سوختنی اس درخت کی جڑ میں جمع کر کے آگ دیں۔ جب کہ اُس انبارِ ہیزم کو جلایا اور دھواں اس کا جوفِ درخت میں بھرا اور

دم اُس پیر مرد کا گھٹا، آخر نوبت بہ جان پہنچی۔ ہر چند ضبط کیا مگر کیا ہو سکتا تھا۔ القصہ چلّایا اور امان چاہی۔ قاضی نے اُسے باہر نکالا اور استمالت کی اور حقیقتِ حال پوچھی۔ پیرِ نیم سوختہ نے صورتِ ماجرا بیان کی۔ قاضی حقیقتِ حال پر مطلع ہوا اور امانت اور کوتاہ دستی غافل کی اور خیانت اور دراز دستی بے حیا عاقل کی سب پر ظاہر ہو گئی۔ مقارن اس حال کے شیخ فانی نے اِس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ آخر کار آتشِ فریب نے اُسے نارِ جہنّم کو پہنچایا۔ اور غافل برکتِ صدق و صفا سے اپنے حق کو پہنچا اور عاقل نے شرمندگی اور روسیاہی حاصل کی اور مال کو اور باپ کو ہاتھ سے کھویا۔ (۹۴، ۹۵)

۹۔ مینڈک، سانپ اور نیولا

کہتے ہیں کہ مینڈک نے ایک سانپ کے نزدیک مسکن کیا تھا اور اس ظالم خوں خوار کے جوار میں گھر بنایا تھا۔ جب کہ وہ مینڈک بچّے نکالتا تھا، سانپ کھا لیتا تھا۔ اُس کا دل فرزندوں کے داغِ فراق سے جلتا تھا۔

اُس مینڈک کو ایک کچھوے سے دوستی تھی۔ اُس کے پاس آیا اور کہا کہ:

"اے یارِ موافق! مجھے تدبیرِ لائق بتا کہ دشمنِ قوی مجھ پر مستولی ہوا ہے؛ نہ اس کے ساتھ طاقتِ مقاومت رکھتا ہوں اور نہ جلاے وطن کر سکتا ہوں کہ عجائب جاے خوش اور مسکنِ دل کش ہے کہ اُس کا سوادِ مینا رنگ روضۂ مینو کے مانند فرح افزا، اور نسیمِ دل کش اس کی طرۂ خوباں کے مانند عنبر سا ہے۔ کوئی شخص بہ اختیار خود ترک ایسی منزل کو نہیں کرتا ہے اور دل ایسے نمونۂ فردوسِ بریں سے نہیں اٹھاتا ہے (بیت):

جاے من کوے مغان است، چہ زیبا جاے است!
ہیچ عاقل بہ جہاں ترکِ چنیں جا نہ کند"

کچھوے نے کہا کہ:

"غم نہ کھا، کہ دشمنِ قوی کمندِ حیلہ میں باندھا جاتا ہے اور خصمِ غالب دامِ مکر میں گرفتار ہو سکتا ہے۔"

مینڈک نے کہا کہ:

"تو نے کتابِ حیل سے اس باب میں کیا مسئلہ حل کیا ہے اور دفعِ غائلۂ دشمنِ بداندیش میں کس تدبیر نے قرار پایا ہے؟"

کچھوے نے کہا کہ:

"فلانی جگہ ایک راسو، یعنی نیولا، جنگ جو، ستیزہ خو رہتا ہے۔ تو چند مچھلیاں پکڑ کے سوراخِ راسو سے تا سوراخِ مار تھوڑے تھوڑے فرق سے چُن دے۔ جب کہ وہ نیولا ایک مچھلی کو کھائے گا تو پھر دوسری پر آئے گا۔ اسی طرح شُدہ شُدہ سوراخِ مار تک پہنچے گا۔ جو کہ فی ما بین راسو اور مار کے عداوتِ جبلّی ہے، سو ظاہر ہے۔ پس اُسی وقت کام مار کا تمام کرے گا۔ اور تو ہر آئینہ اُس کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔"

مینڈک نے اسی تدبیر سے، کہ موافق تقدیر کے تھی، کام سانپ کا تمام کیا۔

جب کہ اس قصّے کو دو چار دن گزرے، نیولے کو مزہ انھیں مچھلیوں کا یاد آیا۔ اُسی طرح سے تلاش کناں تا غارِ مار آ پہنچا۔ ماہی اور مار کو تو نہ پایا، مگر مینڈک جو بچوں سمیت فراغِ خاطر سے بیٹھا تھا، سب کو نوش فرمایا، بہ موجب

(بیت)

کہ از چنگالِ گُرگ گم در ربودی چو دیدم، عاقبت خود گُرگ بودی (۹۵)

۱۰۔ بے وفا رکاب دار

ایّامِ ماضی میں ایک بادشاہ نے تختِ سلطنت کو زیورِ عدل سے آراستہ

کیا تھا اور شعاعِ الطاف اُس کی اطرافِ مملکت میں تاباں تھی۔

ایک روز بادشاہ شکار کو گیا۔ جب مرغزار کے قریب پہنچا، ہر ایک نخچیر شکار میں مشغول تھا۔ بادشاہ نے اپنے رکاب دار سے کہا کہ:

"تو میرے ساتھ گھوڑا دوڑا۔"

رکاب دار نے بادشاہ کے فرمانے سے گھوڑا دوڑایا۔ جب کہ دور نکل گئے، بادشاہ نے باگ روکی اور کہا کہ:

"اے رکاب دار! غرض میری گھوڑا دوڑانے سے یہ تھی کہ ایک بات میرے دل میں آئی ہے، سو تجھ سے کہوں کہ سوا تیرے اعتماد میرا اور پر نہیں ہے۔ پر شرط یہ ہے کہ ہرگز کبھی زبان پر نہ لانا۔"

رکاب دار نے زمینِ ادب کو بوسہ دیا اور کہا کہ:

"اگرچہ یہ ناچیز قابلیت اس کی نہیں رکھتا ہے کہ شہریار اپنا راز مجھ سے فرمائے، لیکن آفتابِ سلطنت اگر اس ذرّۂ بے مقدار پر پرتو افگن ہے تو اُس راز کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گا اور نسیم وصبا بھی کبھی اس کی بو نہ پائیں گی (بیت لمولفہ):

جان جس طرح سے رہتی ہے بدن میں پنہاں
اُس طرح سے میں ترے راز کو رکھوں گا نہاں"

بادشاہ نے اُس کو آفریں کی اور کہا کہ:

"میں اپنے بھائی سے نہایت اندیشہ ناک رہتا ہوں اور بہ یقین جانتا ہوں کہ وہ قابو پا کے کبھی میرے قتل میں کمی نہ کرے گا۔ سو میں نے بھی یہی صلاح اولیٰ سمجھی ہے کہ پہلے اُس کے قابو پانے سے اُسے راہِ عدم دکھاؤں اور اس دغدغے سے دل اپنا خالی کروں۔ تو خبردار رہ، اور ہمیشہ میری محافظت میں سرگرم رہا کر، اور جویا اُس کی مصلحت کا در پردہ رہا کر کہ اپنی جگہ وہ کیا تدبیر کرتا ہے۔"

رکاب دار آدابِ خدمت بجا لایا اور نہایت تاکید و سوگند سے اس راز

کے اِخفا کا وعدہ کیا۔

ہنوز منزل کو نہ پہنچا تھا کہ رکاب دار کے دل میں بے وفائی نے راہ کی اور کُفرانِ نعمت کا خیال بندھا (نظم):

دل بہ مہرِ مردماں کم بنہ، کہ در گلزارِ دہر
بوے یاری و وفا در ہیچ ہمدم یافت نیست
راز با دل گفتم و بسیار خوردم خون ازو
کاشکے دانستمے اوّل کہ محرم یافت نیست

رکاب دار منزل کو پہنچ کر بادشاہ کے بھائی کے پاس پوشیدہ حاضر ہوا اور اُس راز کو مو بہ مو بیان کیا۔ برادرِ شاہ نے اُسے انعام دیا اور وعدہ ہاے بسیار سے امیدوار کیا۔ اس کے بعد نہایت ہوشیاری سے اپنے آپ کو بچاتا رہا۔

ایک دن موقع وقت کا پا کے برادرِ بزرگ کو قتل کیا اور آپ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ اوّل حکم یہ دیا کہ اُس رکاب دار کو قتل کرو۔ اُس نے زبانِ زاری کھولی اور کہا کہ:

"اے بادشاہ! میرا گناہ آپ کی خیر خواہی کے سوا اور کیا ہے؟ اور جو میں نے کیا اس کی جزا کیا یہی ہے؟"

بادشاہ نے کہا:

"راز فاش کرنے کے برابر کون سا گناہ ہوگا؟ اور میرے بھائی نے سب مُلازموں میں تجھے اختصاص دیا اور اپنا محرمِ راز بنایا؛ اس کا بدلہ یہی تھا کہ تو نے اس کا راز فاش کر کے اُسے میرے ہاتھ سے قتل کروایا؟ مجھے تجھ پر کیونکر اعتماد آئے؟ (مصرع):

از ہم دمِ بے وفا جدائی خوش تر"

ہر چند رکاب دار نے عذر پیش کیے، کوئی کام نہ آیا۔ آخر کار اُس بے وفا

کا سر تن سے جُدا ہوا۔ (۱۰۲، ۱۰۳)

۱۱۔ اندھے کا کوڑا

کہتے ہیں کہ ایک نابینا ایک بینا کے ساتھ ہم سفر ہوا۔ ایک شب صحرا میں مقام کیا۔ جب کہ تیاری کوچ کی ہوئی، نابینا اپنا کوڑا ڈھونڈھنے لگا۔ قضارا ایک سانپ پڑا ہوا سوتا تھا۔ اندھا سمجھا کہ یہ کوڑا ریشم کا بنایا ہوا مجھے مفت مل گیا۔ بہت خوش ہوا اور سوار ہو کر چلا۔ جب کہ صبح ہوئی اور آفتاب نکلا، اُس آنکھ والے نے دیکھا کہ اندھے کے ہاتھ میں سانپ ہے۔ چلّایا کہ:

"اے اندھے! تیرے ہاتھ میں سانپ ہے زہرناک۔ جلد پھینک دے ورنہ کاٹ کھائے گا۔"

اندھے نے بدگمانی کی کہ یہ کوڑا بیش قیمتی ہے۔ یہ ہمراہی میرا چاہتا ہے کہ اس حیلے سے اگر پھینک دے تو میں اُٹھا لوں۔ اندھا بولا کہ:

"اے رفیق! کوڑا میرا گم ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر کوڑا مجھے بخشا ہے۔ اگر نصیب تیرا یاوری کرے گا تو تجھے بھی مل جائے گا۔ یہ کیا نیت ہے کہ میرے کوڑے پر کرتا ہے۔ اور میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے دم دینے سے ایسا کوڑا پھینک دوں۔"

مردِ بینا ہنسا اور کہا کہ:

"اے برادر! حق ہمراہی کا یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ سانپ تجھے ہلاک نہ کرے۔"

نابینا آزردہ ہوا اور کہا کہ:

"یہ صاف بدنیتی ہے کہ کوڑا میرا اس حیلے سے لیا چاہتا ہے۔ یہ سودائے خام سر سے نکال ڈال، کہ میں دھوکا نہیں کھانے کا۔"

ہر چند اُس نے مبالغہ کیا، نابینا نے ہرگز نہ مانا۔ آخر جب آفتاب بلند ہوا اور

ہوا گرم ہوئی اور مارِ برف زدہ تابشِ آفتاب سے ہوش میں آیا اور افسردگی اُس کی رفع ہوئی، دیکھا کہ میں ایک شخص کے ہاتھ میں ہوں اور وہ ہر بار ہاتھ سے ملتا ہے۔ ایک بارگی سانپ اس کے ہاتھ میں لپٹ گیا اور کمالِ غضب سے دانت مارا۔ فوراً نابینا ہلاک ہوگیا۔ (۱۰۵)

۱۲۔ پیرِ روشن ضمیر

کہتے ہیں کہ شہرِ فارس میں ایک شیخ تھا کہ اسے پیرِ روشن ضمیر کہتے تھے اور طنطنہ اس کی ولایت و کرامات کا قاف سے تا قاف پہنچا تھا۔ ایک روز درویشِ سیّاح ماوراء النہر سے عزیمت احرامِ حریمِ زاہد باندھ کر بامشقتِ بسیار نواحِ پارس میں پہنچا اور بعدِ قطعِ بادیۂ حرمان منزلِ امن و امانِ زاہد میں نزول کیا اور بہ صد ادب خاکِ آستانِ شیخ کو بوسہ دیا اور خادمِ خانقاہ سے کہا کہ:

"میں مسافتِ بعید سے حاضر ہوا ہوں۔ میرا حال عرض کر دو۔"

خادم نے کہا کہ:

"اے درویش! اندکے صبر کر، کہ شیخ بادشاہ کی ملازمت کے واسطے گیا ہے۔ آنے کے بعد تیرا حال عرض کیا جائے گا۔"

اُس درویش نے افسوس کیا کہ میں نے مفت اپنی اوقات برباد کی اور اتنا رنجِ راہ کھینچا۔ وائے اُس فقیر پر کہ جو بادشاہ کی ملازمت کو جائے اور اغنیا کی صحبت کا مائل ہو۔ اُس سے کیا فائدہ ملے گا اور مطلبِ دینی ایسے دنیا دوست سے کیا حاصل ہوگا؟ فقیر وہ ہے کہ جس نے اس شعر پر گویا کے عمل کیا ہے (شعر):

چھوڑ دنیا، کر قناعت، بیٹھ کنجِ فقر میں
خاک مت سر پر اُڑا ظلِ ہما کے واسطے

اس کے بعد خانقاہ سے نکلا اور بازار کی طرف روانہ ہوا۔ اور ہزار ندامت سے اپنی محنتِ رائگاں پر متاسف چلا جا رہا تھا کہ ناگاہ کوتوالِ شہر کی آنکھ اس پر پڑی۔

قضارا ایک دُزدِ قیدی اُسی شب زندان سے بھاگا تھا اور اِس شخص سے اَشبَہ تھا۔ کوتوال نے دزدِ گریختہ سمجھ کر گرفتار کیا اور سیاست گاہ میں بھیجا اور حکم دیا کہ ہاتھ اس کا کاٹ ڈالو۔ ہر چند یہ عذر کرتا تھا اور اپنا آنا راہِ دور و دراز سے اور وارد ہونا خانقاہِ درویش میں بیان کرتا تھا، کوتوال کب مانتا تھا۔

آخر جلّاد نے تیغِ آب دار اس درویش کے ہاتھ پر رکھی۔ قریب تھا کہ پنجۂ دست بند سے جُدا کر ڈالے کہ پیرِ روشن ضمیر بہ یک ناگاہ اُس محکمے میں پہنچا اور صورتِ حال دریافت کر کے کوتوال سے کہا کہ:

"یہ درویش ہماری خانقاہ کا ہے۔ جس شبہے سے تم اسے متہم کرتے ہو یہ تمھاری خطا ہے۔ ہرگز اس پر دستِ سیاست دراز نہ کرنا۔"

کوتوال نے سُمِ مرکبِ شیخ کو بوسہ دیا اور فرمانا اس کا قبول کیا۔ درویش ظلمِ کوتوال اور دستِ ستمِ جلّاد سے نجات پا کے شیخ کے ہمراہِ رکاب ہوا۔

اثنائے راہ میں شیخ نے دوش پر درویش کے ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا کہ:

"اے برادر! بدگمانی فقرا کے حق میں مناسب نہیں ہوتی ہے۔ اگر میں ملازمت بادشاہ کی اختیار نہ کرتا تو تجھ سے مظلوموں کو کیونکر ظالموں کے ہاتھ سے رہائی ملتی؟"

درویش سمجھا کہ خیال میرا محض نفسانیت اور غلبۂ شیطانی تھا۔ واقعی یہ ہے کہ جو فعل اہلِ کمال سے وجود میں آتا ہے، خالی فائدے سے نہیں ہوتا ہے، کس واسطے کہ ارادتِ درویش ارادتِ خدا میں فانی ہو جاتی ہے۔ جو چیز کہ اُس سے صادر ہوتی ہے، ارادتِ اللہ کے موافق سرزد ہوتی ہے۔ اگرچہ ظاہر اس کا خلافِ عقل اور طبع کے ہو، خالی از مصلحت نہیں ہوتا ہے (مثنویِ مولانا روم علیہ الرحمہ):

آں پسر را کش خضر ببرید حلق
سرِّ آں را در نہ یابد عامِ خلق
در درونِ بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکستِ خضر ہست

چوں شکستِ بند آمد دستِ او
پس رفو باشد یقیں اِشکستِ او
کاملے گر خاک گیرد، زر شود
ناقص ار زر برد، خاکستر شود

(۷ - ۱۰۶)

۱۳۔ تین حاسِد

تین شخص بایک دگر ہمراہ ہو کر روانۂ سفر ہوے۔ وہ جو سب میں بڑا تھا اُس نے اُن دونوں سے کہا کہ:

"تم نے کیا سمجھ کے سفر اختیار کیا ہے، کہ مشقت سفر کی بہت ہوتی ہے۔"

ایک نے جواب دیا کہ:

"جس جگہ میں تھا وہاں ایسی نیک صورتیں لوگوں کے واسطے پیدا ہوتی تھیں کہ میں آتشِ حسد میں جلا جاتا تھا اور متحمّل دیکھنے کا نہ ہو سکتا تھا، اس لیے سفر اختیار کیا کہ نادیدنی دیکھنے میں نہ آئے۔"

دوسرے نے کہا کہ:

"یہی رنج میرا بھی دامن گیر ہوا، اس سبب سے ترکِ وطن اختیار کیا۔"

اُس تیسرے نے کہا کہ:

"تم دونوں میرے ہمدرد ہو۔ میں بھی مبتلا اسی بلا کا ہوں (بیت):

کس طرح، تو ہی بتا، یہ جَور میں دیکھا کروں
ساقیا! سب بادہ کش ہوں، اور میں دیکھا کروں

یہ تینوں حاسِد باہم یک دل چلے جاتے تھے کہ ناگاہ اثناے راہ ایک بدرۂ زر پڑا دیکھا۔ تینوں نے اسے اُٹھا لیا اور کہا کہ آؤ باہم تقسیم کریں اور وطن کو پھر چلیں اور چندے عیش بہ فراغت کریں۔ اس گفتگو میں تینوں کی رگِ حسد

جوش میں آئی۔ ہر ایک راضی اس پر تھا کہ دوسرے کو حصّہ نہ ملے۔ یہی خیال تینوں کے دل میں جاگیر ہوا کہ میں ہی تنہا اسے لے لوں، اس لیے متحیّر تھے نہ یہ ہمّت تھی کہ باہم تقسیم کریں، اور نہ راہ میں چھوڑ سکتے تھے۔ ایک شبانہ روز بے آب و دانہ اُس صحرا میں بدرۂ زر کے پاس بیٹھے رہے اور منازعت کرتے تھے اور فیصلہ قرار نہ پاتا تھا۔

دوسرے دن بادشاہ اُس دیار کا شکار کو نکلا۔ اتفاقاً گذر بادشاہ کا اُسی جگہ ہوا۔ اُن تینوں کو اُس صحرا میں بیٹھا دیکھا۔ حال پوچھا۔ تینوں نے سچ سچ بیان کر دیا کہ ہم تین شخص حسدِ مجسّم ہیں اور اسی سبب وطن سے نکلتے تھے، اور یہاں بھی وہی قصّہ پیش آیا۔ چاہتے تھے کہ کوئی حَکَمِ معقول ہوتا کہ ہم میں فیصلہ کرتا۔ بارے الحمد للہ کہ اب وہ میسّر ہوا۔

بادشاہ نے کہا کہ:

"تم تینوں صفت اپنے اپنے حسد کی بیان کرو تا تمھارے حسد کے فراخور تقسیم بدرے کی کی جائے۔"

ایک نے کہا کہ:

"حسد میرا اس مرتبے پر ہے کہ نہیں چاہتا ہوں کہ کسی پر احسان کروں کہ وہ خوش وقت اور مرفّہ الحال ہو جائے۔"

دوسرے نے کہا کہ:

"تو بہت نیک بخت ہے اور حسد سے تجھے کچھ بہرہ نہیں ہے۔ میں وہ حاسد ہوں کہ نہیں چاہتا ہوں کہ کوئی اور بھی دوسرے پر احسان کرے۔"

تیسرے نے کہا کہ:

"تم دونوں اس حال میں بے بہرہ ہو۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ مجھ پر بھی کوئی احسان کرے، بلکہ نام احسان کا جہان میں باقی نہ رہے۔"

بادشاہ نے انگشتِ تحیّر کو دانتوں میں دابا اور کہا کہ:

"تمھاری گفتار سے تمھارا کردار ظاہر ہوتا ہے۔"

اس کے بعد ہر ایک کو اس کے اظہار کے موافق سزا دی۔ یعنی پہلے کو، جو کچھ پاس اس کے تھا، چھین لیا اور سر و پا برہنہ اُس صحرا میں چھوڑ دیا۔ اور دوسرے کے قتل کا حکم دیا۔ اور تیسرے کو حکم دیا کہ بہ انواعِ عقوبت تا مدّتِ دراز تھوڑا تھوڑا عذاب اس پر یہاں تک بڑھاؤ اور تعذیب کیے جاؤ کہ مُرغِ روح اس کا چنگالِ بازِ ملک الموت میں گرفتار ہو جائے۔ (نظم):

آں کہ نیکوئی نہ خواہد با کسے
نیکوئی با وے نہ باید خواستن
ہر نہالے کاں نہ دارد میوہ اے
از تبر می بایدش پیراستن

(رباعی): آں درد کہ درماں نہ پذیرد حسد است
آئینِ حسد قاعدۂ دیو و دد است
گویند حسود خصمِ مردُم باشد
گر نیک تامّل بکنی، دیوِ خود است

سچ یہ ہے کہ کوئی رنج حسد سے زیادہ نہیں ہے، اس واسطے کہ حاسد ہمیشہ شادیِ مردُم سے غمناک رہے گا اور راحتِ غیر سے دردناک۔ (۱۱۰-۱۱)

۱۴۔ نیم حکیم

کہتے ہیں کہ ایک مردِ بے سرمایۂ دانش اور بے پیرایۂ تجربہ نے دعویِ طبابت کیا۔ نہ علمِ طبابت رکھتا تھا، نہ بصیرتِ حکمت۔ اور دوا کے پہچاننے میں یہاں تک جاہل تھا کہ جوز ہندی اور درمنۂ ترکی میں فرق نہ کرتا تھا۔ اور تشخیصِ امراض میں اس مرتبہ بیگانہ تھا کہ رَمَد اور نقرس میں امتیاز نہ رکھتا تھا۔ اور دوا کے بنانے میں خیساندے اور جوشاندے کو جدا نہ جانتا تھا۔ اور نسخہ لکھنے کی کیفیت اور

کمیت غذا و شربت سے مطلق آگاہ نہ تھا (بیت):

بد علاجے کہ ہر کہ نسخۂ او

دید، دیگر نہ دید روے حیات

چنانچہ سودا کے یہ اشعار اُسی بزرگ کی شان میں موزوں ہوے ہیں (ابیات):

صاحبِ ہیچش کو بتایا کٹول — واسطے ہیضے کے لکھا اسبغول

لکھ دیا مجنون کو شیرِ شتر — کہ دیا مستسقی کو "جا، فصد کر"

جس کو کہ سمجھا کہ اسے ہے صَرَع — کہنے لگا "دوا اِسے ماءُ القرع"

تھا متوطّن وہ شقی روم کا — بستی میں رکھتا تھا اثر بوم کا

شکل تھی شیطان کی، درویش نام — سچ ہے، ہلاکو کا تھا قائم مقام

اُس شہر میں، کہ اس شخص نے دُکانِ جہالت کھولی تھی اور شہرۂ مردم کُشی بلند کیا تھا، ایک اور طبیب، نہایت ہُنر سے آراستہ، کہ دم اُس کا مانندِ دمِ حضرت عیسیٰ جاں بخش اور قدم اس کا مثل قدمِ حضرتِ خضر کے فرح بخش، تھا۔ چونکہ عادت روزگارِ غدّار کی ہمیشہ سے یوں ہے کہ ہنرمندوں کو اپنے دسترخوان سے سواے نوالۂ محنت اور لقمہ نہیں دیتا ہے، اور بے ہنروں کی امداد میں دریغ نہیں کرتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ مردِ باہنر کی جب کہ روشنائیِ چشم جاتی رہی، گوشۂ کاشانہ میں بیٹھا۔ اس کے بعد اُس جاہل کی دُکانِ طبابت زیادہ تر چمکی (بیت):

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

اندک فرصت میں اس کی شہرتِ کاذبہ زبانِ عوام پر جاری ہوئی۔

اور اُس شہر کے شہریار کی ایک بیٹی تھی کہ مطلعِ حسن سے ایسے آفتاب نے کبھی طلوع نہیں کیا تھا اور عطر فروشِ صبا نے اُس کی زلفِ مشک بار کی طرح اور نافہ کبھی کھولا نہ تھا۔ اُس کو اپنے برادر زادے سے تزویج کیا تھا۔ بہ مجرد نکاح ہونے کے وہ حمل سے ہوئی اور بعد انقضاے مُدّتِ حمل وقت وضع کے

ایک مرضِ مہلک حادث ہوا اور قریب بہ ہلاکت پہنچی۔ طبیبِ دانا کو بادشاہ نے طلب کیا اور حقیقتِ حال بیان کی۔ حکیم حاذق نے خوب تشخیص کر کے یہ تجویز کیا۔

"اس کی دوا سوائے مہران کے اور نہیں ہے۔ وہ چار رتّی مشکِ خالص اور دارچینی سے باہم ملا کے شربتِ تبرزد میں آمیختہ کر کے بیمار کو کھلا دو۔ انشاءاللہ تعالیٰ فی الحال صحتِ کامل ہو گی۔"

پوچھا کہ:

"اے طبیب! وہ دوا کہاں ملے گی؟"

اس نے کہا کہ:

"میں نے شفا خانۂ بادشاہی میں دیکھا ہے کہ سیمِ خام کے ڈبّے میں رکھی ہوئی ہے اور اُس پر زرِ سُرخ کا قفل دیا ہوا ہے۔ اب نابینائی کے سبب سے میں مجبور ہوں۔ کوئی اُس پتے سے، کہ جو پتا میں نے دیا ہے، ڈھونڈھ لے آئے۔"

اس حال میں وہ طبیبِ جاہل آیا اور کہا کہ:

"پہچاننا کام میرا ہے اور ترکیب اس کے بنانے کی میں ہی خوب جانتا ہوں۔"

آخر وہ شفا خانے میں آیا۔ اُسی طرح کے ڈبّے کو ڈھونڈھتا تھا، اور اس طرح کے ڈبّے بہت تھے۔ متحیّر تھا کہ کیا کروں۔ آخر ایک ڈبّا رجّاً بالغیب ہاتھ میں لے کر باہر آیا۔ قضارا اُس ڈبّے میں زہرِ ہلاہل تھا اور اس کم بخت جاہل کو مہران اور زہرِ ہلاہل میں کچھ تمیز نہ تھی۔ زہر کو نکال کے اور اجزائے مذکور کے ساتھ ملا کے شاہ زادی کو دیا۔ گلے سے اترتے ہی ہلاک ہو گئی۔

بادشاہ نے اپنا سر زمین پر دے پٹکا اور حد سے زیادہ غم کیا اور اسی رنج میں کہا کہ:

"بقیہ اس دوا کا اس طبیبِ بے حیا کو کھلا دو۔"

کھانے کے ساتھ ہی وہ بھی سرد ہو گیا اور پاداشِ عملِ ناملائم کی فی الحال پائی (بیت):

نیکو مثل است ایں کہ ہر کس بد کرد
بد بادِ گرے نہ کرد، ہم با خود کرد (۱۴-۱۱۳)

۱۵۔ زمیں دار کی بیوی اور توتے

ایک مرزبان تھا، دانش و فراست میں معروف اور حسنِ صفات سے موصوف۔ اس کی ایک جورو تھی، بہ حسن آفتِ جاں اور بہ غمزہ فتنۂ جہاں۔ باوصف اس حُسن و دل رُبائی کے عفّت اور پارسائی میں بھی بے مثل تھی (نظم):

دیدہ فرو بستہ زکارِ جہاں
گشتہ پسِ پردۂ عفّت نہاں
آئنہ نادیدہ جمالش زدور
بود ز ہمراہیِ سایہ نفور
(ملولفہ) نگاہ اس کی قدم پر تھی حیا سے
زہے گُل، جس کو شرم آتی صبا سے!

اور اُس مرزبان کا ایک غلام تھا، بہت بے باک اور ناپاک۔ اُس کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور مرغانِ شکاری کی خدمت اس کے ذمّے تھی۔ ایک دن نظر اُس کور نمکِ مردود کی اس پر پڑی۔ مرغِ دل اس کا اس کے دامِ عشق میں پھنس گیا۔ اس غلام نے ہر چند تدبیرِ وصالِ عفیفہ کی، ہرگز اُس نے قبول نہ کیا اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی (بیت):

برو، ایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

جب کہ وہ نمک حرام محروم ہوا، بدنفسوں کی سیرت کے موافق چاہا کہ اُس کے حق میں ایسا فتنہ اٹھائے کہ جان اور حُرمت اس کی برباد ہو جائے۔ اس کے بعد دو توتے خرید کر کے زبانِ بلخی میں انھیں یہ پڑھانا شروع کیا،

ایک کہتا تھا کہ:

"میں نے ساربان کو کدبانو کے ساتھ سوتا دیکھا ہے۔"

اور دوسرے کو سکھایا کہ:

"میں اس مقدمے میں کچھ نہیں کہتا ہوں۔"

ایک دن مرزبان محفلِ شراب آراستہ کر کے بہ فراغت مسندِ نشاط پر بیٹھا تھا۔ بازدار آیا اور دونوں توتے بہ طور ہدیے کے نذر گذرانے۔ اُن توتوں نے خوش زبانی سے ترانہ سرائی اور زمزمہ پیرائی شروع کی اور وہی دو کلمے تکرار کرتے تھے۔ مرزبان زبانِ بلخی نہ سمجھتا تھا مگر تناسبِ الفاظ اور خوش لحنی سے اُن کی مسرور ہوتا تھا۔ آخر اپنی عورت کو دونوں توتے سپرد کیے کہ اچھی طرح رکھے۔ وہ عورت بے چاری زبانِ بلخی سے آگاہ نہ تھی، مگر دشمنوں کو دوستوں کی طرح پرورش کرتی تھی (بیت):

نفس را پروردم، آخر خود شدم رسوا ازو
من چہ دانستم کہ خصمِ خویش را می پرورم

اور اس قدر مفتوں اُن توتوں کی خوش الحانی پر ہوئی کہ کبھی اُن کے بغیر بزمِ شراب میں نہ بیٹھتی تھی۔

القصہ ایک گروہ تجار کا بلخ سے مرزبان کے گھر وارد ہوا۔ مرزبان نے محفلِ مہمانی اُن کے واسطے ترتیب دی۔ اور اُن توتوں کو بھی مرزبان نے اُس محفل میں منگوایا۔ انھوں نے وہی دو کلمے کہنا شروع کیے۔ مہمان، کہ واقف اس زبان کے تھے، بس اُن الفاظوں کے سنتے ہی متحیر ہو کر سرِ خجالت سب نے جھکا لیا۔ مرزبان نے فراست سے معلوم کیا کہ مہمان منغّص ہوے اور نشاط ان کی زائل ہو گئی۔ کیا سبب ہے۔ پوچھا کہ:

"سبب اِس افسردگی کا کیا ہے؟"

ہر چند انھوں نے عذر اور حیلے کیے، ہرگز قبولِ مرزبان نہ ہوے۔

ایک نے اُن میں سے، کہ جُرأت زیادہ رکھتا تھا، کہا کہ:

"اے مرزبان! یہ توتے جو کہتے ہیں، تو نہیں سمجھتا ہے؟"

مرزبان نے کہا کہ:

"میں ہرگز یہ زبان نہیں سمجھتا ہوں، مگر ان کی خوش الحانی پر البتہ دل داد
ہوں۔ تم مجھے اس کے معنی سے آگاہ کرو (بیت):

من نہ دیدم گہے سلیماں را
چہ شناسم زبانِ مرغاں را؟"

انھوں نے توتوں کے کلام کے معنی سے مرزبان کو آگاہ کیا۔ بس
سنتے ہی متغیر ہوا اور نہایت شرمندہ ہو کر کہا کہ:

"اے عزیزو! مطلق اس حال سے میں آگاہ نہ تھا۔ والّا دانستہ میں
یہ رسوائی کیونکر قبول کرتا؟ بلکہ ہمارے شہر میں یہ رسم ہے کہ جس گھر میں زنِ بدکا
ہو، جب تک کہ اسے قتل نہ کریں، کھانا نہیں کھاتے ہیں۔"

یہ گفتگو باہم تھی کہ بازدار نے کہا کہ:

"میں نے بارہا یہ حال اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، مگر مارے خوف کے
زبان پر نہ لاتا تھا۔"

مرزبان از خود رفتہ ہو گیا اور حکم دیا کہ جلد اسے قتل کریں۔ جب ا
عورت کو خبر پہنچی، اس نے پیغام بھیجا کہ:

"اے مرد! اگر میری ہلاکت پسند کرے، خواہ بقا، تجھے اختیار ہے
لیکن اس کام کو خوب تحقیق کر لے۔ تعجیل نہ فرما کہ میرا قتل ہر دم تیرے اختیا
میں ہے۔ مگر اربابِ خرد ہر کام میں، خصوصاً مقدمۂ خون میں، تامّل واجب
ہیں، اس واسطے کہ اگر وہ شخص لائق خوں ریزی کے ہے، تو فرصت باقی ہے
اور عیاذاً باللہ اگر تعجیل کی اور بے گناہ قتل ہوا اور قتل کے بعد معلوم ہوا
مقتول بے گناہ تھا، پھر اس کا تدارک دائرۂ امکان سے باہر ہو جائے گا

س کا وبال ابدالآباد تک باقی رہے گا۔ (بیت):

بے تامل مکوش در آزار

تا پریشاں نہ گردی آخرِ کار"

مرزبان نے اُس کو مجلس کے نزدیک بلا کے پسِ پردہ بٹھایا اور بازدار کا حال اور توتوں کا قال اُس سے کہا۔ اور یہ کہا کہ:

"یہ توتے انسان کی جنس سے نہیں ہیں کہ ان کی بات غرضِ نفسانی پر محمول ہو۔ جو کچھ انھوں نے دیکھا ہے سو کہتے ہیں۔ اور بازدار بھی انھیں کے موافق گواہی دیتا ہے۔ اور یہ ایسا جرم نہیں ہے کہ زبان آوری سے اس کا عذر بن سکے۔"

عورت نے کہا کہ:

"میرا تدارک از جملۂ فرائض ہے، مگر جس وقت تحقیق اس کی بہ واقعی ہو۔ پھر ایک دم بھی تامّل میرے قتل میں نہ کرنا۔"

مرزبان نے کہا:

"کیونکر تحقیق اس کی ہو؟"

عورت نے کہا:

"مردمِ بلخی سے پوچھو کہ یہ توتے سوائے ان دو کلموں کے اور بھی الفاظ سے آشنا ہیں؟ اگر ان کے سوا اور بات نہیں جانتے ہیں تو جانیو کہ اُس بے حیا نے، کہ مراد جس کی مجھ سے حاصل نہ ہوئی، خباثتِ نفس سے یہ دو کلمے ان کو سکھائے ہیں تا میرے قتل سے دل شاد کرے۔ اور اگر اور بھی کلماتِ بلخی یہ توتے جانتے ہیں تو خون میرا تجھ پر حلال اور زیست میری مجھ پر حرام ہے۔"

مرزبان نے برائے احتیاط تین دن مہمانوں سے تفتیش کی۔ توتے سوا ان دو کلموں کے اور کچھ زبان پر نہ لائے۔ جب کہ بہ یقین معلوم ہوا کہ وہ

عورت اس گناہ سے پاک ہے، اُس کے قتل سے درگذرا اور بازدار کو بُلوایا۔ بازدار بہ شوخیِ تمام باز ہاتھ میں لے کر بہ امیدِ انعام حاضر ہوا۔ عورت نے کہا کہ:

"اے غدارِ ستمگار! تو نے دیکھا تھا کہ میں مرتکب اس گناہ کی ہوئی تھی؟"

بازدار نے کہا:

"بلے"

بہ مجردِ "بلے" کے باز نے جست کر کے آنکھ بازدار کی نکال لی۔ عورت نے کہا کہ:

"جو کوئی نادیدہ گواہی دے، اس کی یہی سزا ہوتی ہے۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے جزا اس تہمت کی بہ واقعی دی (بیت):

برکندہ بہ آں چشم کہ بد بیں باشد
بد بیں ہمہ جا در خورِ نفریں باشد"

(لمولفہ): بُرا اس کا ہوا جس نے کسی کا کچھ بُرا چاہا
ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں ہم گردش میں گردوں کو

(۱۱۶-۱۸)

۱۶۔ شتر سوار اور سانپ

کہتے ہیں کہ شتر سوار اثنائے سفر میں ایک مقام پر پہنچا کہ اس کو کاروانیوں نے کوچ کے وقت آگ لگا دی تھی۔ ازبس کہ بادِ تند وزاں تھی، خس وخاشاک اس جگہ کے جلاتے جلاتے گوشۂ صحرا میں جا لگی اور دور دور اس صحرا میں پھیل کے لالہ زار کے مانند تاباں تھی۔ اتفاقاً مارِ کلاں اس آگ میں گھر گیا۔ کسی طرح راستہ نہ پاتا تھا اور گرمی سے قریب تھا کہ ہلاک ہو جائے، کہ ناگاہ

شتر سوار کو دیکھا۔ فریاد کی کہ:

"درماندہ اور بے چارہ ہوں۔ اگر مرحمت کرے اور مجھے اس بلا سے بچالے تو بہ موجب آیۂ کریمہ کے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ خالی فائدے سے نہ ہوگا۔"

شتر سوار خدا ترس اور رحیم مزاج تھا۔ جب کہ زاری اور بے چارگی سانپ کی سُنی، اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ مار دشمنِ انسان ہے، مگر اس دم درماندہ اور حیران ہے۔ اب بہتر یہ ہے اس پر رحم کروں۔ اس کے بعد توبڑے کو نیزے پر رکھ کے سانپ کے نزدیک کیا۔ سانپ جلدی سے اس توبڑے میں در آیا۔ سوار نے نیزہ کھینچ کر توبڑا اپنے نزدیک کیا اور منہ توبڑے کا کھول کے سانپ سے کہا کہ:

"آگ سے تو نے نجات پائی۔ اب جس طرف چاہے، جا۔ اور شکر اس کا یہ ہے کہ پھر مردم آزاری نہ کرنا کہ انسان کی جنس نے تجھ پر احسان کیا ہے (بیت):

بترس از خدا و میازار کس
رہِ رستگاری ہمین است و بس"

سانپ آستین میں شتر سوار کی لپٹ گیا اور کہا کہ:

"یہ کلام نہ کر۔ میں جب تک تجھے اور تیرے اونٹ کو نہ کاٹوں گا، نہ جاؤں گا۔"

شتر سوار نے کہا کہ:

"میں نے تجھے بلا سے نجات دی ہے، اس احسان کا بدلا یہی ہے؟"

سانپ نے کہا:

"واقعی تو نے نیکی کی، مگر غیر محل میں واقع ہوئی۔ اور شفقت کی تو نے، لیکن ساتھ غیر مستحق کے صادر ہوئی۔ کیا تو نہ جانتا تھا کہ میں تو ضرر مجسّم ہوں، مجھ

سے آدمیوں کو نفع پہنچنا غیر ممکن ہے؟ پس جب کہ ایسے سے نیکی کی تو نے کہ سزاوار بدی کا تھا، اب جزا اس کی یہی ہے کہ تجھے الم پہنچے، کہ نیکی کرنا بدوں سے ایسا ہے کہ جیسے نیکوں سے بدی کرنا (قطعہ):

چناں کہ از روشِ عقل و شرع ممنوع است
بدی بہ نسبتِ پاکان و نیکواں کردن
بہ جاے دوں صفتانے کہ مردم آزارند
بہ ہیچ وجہ نکوئی نمی تواں کردن

جو کہ مجھ میں تجھ میں عداوتِ جبلّی تھی تو عاقبت اندیشی مقتضی اس کی تھی کہ مجھے جلنے دیتا اور میری زاری اور چرب زبانی پر خیال نہ کرتا بلکہ اور سرکوبی کرتا کہ قَتْلُ الْمُؤْذِیْ قَبْلَ الْاِیْذَا آیا ہے۔ تو نے خلاف شرع و احتیاط کے کام کیا۔ بھلا میں کیوں اپنی وضع کے خلاف کام کروں؟ ہر آئینہ میں تجھے کاٹوں گا تا اپنے بنی نوع میں تیری طرح احمق نہ ٹھہروں۔"

شتر سوار نے کہا کہ:

"اے سانپ! انصاف کو کام کر، کہ مکافات میں نیکی کی بدی کرنا کسی مذہب میں روا نہیں ہے۔"

سانپ نے کہا:

"عادت تم سب آدمیوں کی یہی ہے۔ میں بھی تمھارے فتوے پر عمل کرتا ہوں۔ جو کچھ کہ بازارِ مکافات میں تم سے خرید کیا ہے، وہی تمھارے ہاتھ بیچوں گا (مصرع):

یک لحظہ بخرآں چہ فروشی ہمہ عمر"

ہر چند سوار نے تقریر میں مبالغہ کیا، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ سانپ نے کہا کہ:

"اب بتا، پہلے تجھے کاٹوں یا تیرے اونٹ کو؟"

سوار نے عذر کیا کہ:

"نیکی کا عوض بدی نہیں ہے۔ حق فراموشی نہ کر۔"

سانپ نے کہا:

"یہی طریقہ آدمیوں کا ہے۔ میں نے جو کچھ تم سے سیکھا ہے، وہی کروں گا۔"

سوار نے کہا کہ:

"اگر اس دعوے کو گواہانِ عادل سے ثابت کر دے کہ انسان نیکی کے بدلے بدی کرتے ہیں تو زخم تیرا بہ جان قبول کرتا ہوں۔"

سانپ نے چار طرف نگاہ کی۔ دور سے ایک بھینس کو چرتے دیکھا۔ کہا کہ:

"چل اس بھینس سے پوچھیں۔"

شتر سوار سانپ کو لے کر گاومیش کے پاس آیا۔ سانپ نے کہا کہ:

"اے گاومیش! جزا نیکی کی کیا ہے؟"

اس نے کہا کہ:

"اگر آدمیوں کے مذہب میں پوچھتا ہے تو جزا نیکی کی بدی ہے۔ سرِدست یہ ہے کہ میں مدّتِ دراز سے ایک شخص کے پاس تھی۔ ہر سال ایک بچّہ دیتی تھی اور گھر اس کا شیر و روغن سے بھرا رکھتی تھی۔ اور اس کا سامان شادی و غم میرے ہی شیر و روغن پر موقوف تھا۔ جب کہ میں بوڑھی ہوئی اور دودھ اور بچّہ دینے سے عاجز آئی۔ پہلے دانہ اور چارہ میرا موقوف کیا، اُس کے بعد صحرا میں ہانک دیا۔ میں بہ دشواری تمام اپنے منہ سے خس و خاشاک عرصۂ دراز سے چرتی رہی۔ کل وہ اتفاقاً ادھر آنکلا۔ جب کہ مجھے دیکھا، اُس کی نگاہ میں اندک فربہ نظر آئی۔ قصّاب کو لا کے اُس کے ہاتھ مجھے بیچا۔ آج وہ مسلخ میں لے جا کے ذبح کر کے بند بند میرے جدا کرے گا۔ ان کے مذہب میں مکافات نیکی کی یہ ہے۔"

سانپ نے کہا:

"سُنا تو نے؟ اب آمادہ زخم کا ہو۔"

سوار نے کہا:

"شرع میں ایک گواہ پر حکم نہیں کرتے ہیں، دوسرا گواہ بھی ضرور ہے۔"

سانپ نے ایک درخت دیکھا۔ اس کے نزدیک آ کے پوچھا کہ:

"جزا نیکی کی کیا ہے؟"

درخت نے کہا:

"انسان کے مذہب میں نیکی کا بدلا بدی ہے، چنانچہ میں اِس صحرا میں ایک پاؤں سے ایستادہ ہوں، جو آدمی کہ گرمی میں آتا ہے، میرے سائے میں ٹھہرتا ہے۔ جب کہ حواس درست ہوتے ہیں، تجویز کرتا ہے کہ اس کی شاخوں کی یہ یہ چیزیں بنیں گی اور تنے میں اتنے تختے اور کڑیاں نکلیں گی۔ اگر قابو ملتا تو ضرور اسے کاٹا ہوتا۔ جس کے پاس تبر ہوتا تھا وہ ایک دو شاخ بھی کاٹ لے جاتا تھا۔ یہ حال ہے بنی نوعِ انسان کا۔"

سانپ نے کہا کہ:

"دو گواہِ عادل گذر چکے۔ اب میں تجھے کاٹتا ہوں۔"

سوار نے کہا کہ:

"جان بہت عزیز شے ہے۔ اگر ایک گواہ اور بھی ہو تو بلا مضائقہ تو مجھے کاٹ، پھر کچھ عذر نہ کروں گا۔"

اتفاقاً ایک روباہ بھی اُس جگہ کھڑی یہ حکایت سنتی تھی۔ سانپ نے کہا کہ:

"اے روباہ! تو بتا کہ جزا نیکی کی کیا ہے؟"

روباہ نے کہا کہ:

"کیا نہیں جانتا ہے تو کہ عوض نیکی کا بدی ہے؟"

اس کے بعد روباہ نے پوچھا کہ:

"اے شتر سوار! تو نے سانپ کے حق میں کیا نیکی کی ہے کہ مستحق
ی کا ہوا ہے؟"

شتر سوار نے صورتِ حال بیان کی۔ روباہ نے کہا کہ:

"مردِ عاقل کو خلاف بولنا نہ چاہیے (بیت):

ز عاقل کے روا باشد سخن ہائے خطا گفتن
نہ زیبد مردِ دانا را خلافِ ماجرا گفتن"

سانپ نے کہا:

"یہ سوار سچ کہتا ہے۔ یہی تو بڑا ہے کہ اس میں کر کے مجھے آگ سے
بایا ہے۔"

روباہ نے کہا کہ:

"یہ بات کسی طرح خیال میں نہیں آتی ہے کہ تو اتنا بڑا اور اتنے ذرا سے
بڑے میں در آئے اور نیزے پر یہ سوار اٹھا لے۔ اگر بہ رائے العین
شاہدہ کروں تو البتہ مجھے باور ہو۔ اس کے بعد ایک دم میں فیصلہ کر دوں گی۔
وف یہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ خلاف راستی فیصلہ کروں اور ناحق گنہگارِ خدا
وں۔"

سانپ اس توبڑے میں در آیا اور سوار نے نیزے پر رکھ کے
ور کیا۔ چاہتا تھا کہ پھر اُسی طرح اپنی طرف کھینچے کہ روباہ نے کہا کہ:

"اے سوار! دشمن کو قابو میں لایا ہے، اب مہلت نہ دے (بیت):

دشمن چو بہ دست آمد و مغلوبِ تو شد
حکمِ خرد آن است امانش نہ دہی"

سوار نے توبڑے کو اٹھا کر زمین پر دے پٹکا کہ سانپ مر گیا اور
تر سوار نے امان پائی (مصرع):

۱۷۔ لالچی بلّی

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بلّی پالی تھی۔ اس قدر گوشت کہ غلبۂ گرسنگی ہو جاتا تھا، راتب اُس کا مقرر کر دیا تھا، سو دیے جاتا تھا۔ مگر اس کو غلبۂ ا
و حرص سے قناعت نہ تھی۔ تلاش سے ہاتھ کوتاہ نہ کرتی تھی۔

ایک دن کسی کبوتر خانے میں گذر ہوا۔ کبوتروں کی صدائے دل آو
گربہ از خود رفتہ ہو گئی اور آپ کو اُس برج یعنی کھو میں ڈال دیا۔ کبوتروں کے
نے اسے گرفتار کر کے مار ڈالا اور پوست اُس کا تن سے جدا کر کے اندر بھس
کبوتر خانے کے دروازے پر لٹکا دیا۔

اتفاقاً مالکِ گربہ اُس طرف سے گذرا۔ دیکھا کہ گربۂ حریص کا یہ حال ہو
کہا کہ:

"اے حریصِ بے خبر! اگر اُس قدر گوشت پر قناعت کرتی تو پوست
گوشت سے کیوں جدا ہوتا؟" (۱۳۱)

۱۸۔ زاہد، چور اور دیو

ایک زاہدِ پاک طینت، پاکیزہ سیرت کا نواحیِ بغداد میں صومعہ تھا۔ اوقات
و شام عبادتِ مَلِکِ علّام میں بسر کرتا تھا اور غبارِ تعلقات اپنے دامن سے
ڈالتا تھا اور تصوّر کیا تھا کہ نوشِ مسرّت بے نیشِ مشقّت حاصل نہیں ہوتا۔
اور نقدِ گنجِ غنا بغیر رنج و عنا ہاتھ نہیں آتا ہے، پھر واسطے چند انفاسِ مستعار
اتنی بلاؤں کا خریدار ہونا بڑی حماقت ہے (بیت):

ہاتھ اٹھا گل سے کہ تا ایذا نہ پہنچے خار سے
مار ٹھوکر گنج کو، پھر خوف کیا ہے مار سے؟

سمجھ کر زاویۂ قناعت میں سر کھینچا تھا اور جو وظیفہ کہ عالمِ غیب سے عنایت
تا تھا اُس پر بہ ہزار شکر راضی رہتا تھا۔

ایک مریدِ صادق نے معلوم کیا کہ شیخ ہمارا اکثر فقر و فاقہ میں بسر کرتا ہے۔
ے گاومیشِ شیردار بہ ہزار منّت نذر کی اور کہا کہ:

"یہ حسبۃً للہ آپ کی نذر ہے کہ اکثر پریشانی روزی کی اوقاتِ شریف
للہ کرتی ہے۔ وقتِ ضرورت اس سے رفعِ گرسنگی فرمایا کیجیے، بلکہ وارد
ادر بھی اس سے فیض پائیں گے۔"

زاہد نے خیال کیا کہ بے طلب اللہ نے اسے بھیجا ہے، پس بہ حکم
رَدَّ وَ لَا کَدَّ کے قبول کیا۔

ایک چور نے گاومیشِ شیردار دیکھ کے با خود کہا کہ اسے چُرائیے،
ب مفت ہے۔ شب کو صومعۂ زاہد کا ارادہ کیا۔ اتفاقاً ایک دیو بھی بہ شکلِ آدمی
کے دُزد کے ساتھ ہوا۔ دُزد نے کہا کہ:

"تو کون ہے اور کہاں جائے گا؟"

اُس نے کہا کہ:

"میں دیو ہوں۔ بہ شکلِ آدمی بن کر صومعۂ زاہد کا قصد رکھتا ہوں کہ اکثر
ف اس کی برکتِ تلقین سے طریقۂ توبہ و تقویٰ میں کامل بن گئے ہیں۔ چاہتا
ں کہ اگر فرصت پاؤں تو اسے قتل کروں تا سبیلِ ہدایت مسدود ہو جائے۔
ہے حال میرا جو سُنا تو نے، اب تو بتا کہ تو کون ہے اور تیرا حال کیا ہے؟"

دُزد نے کہا کہ:

"میں عیار پیشہ ہوں اور شب و روز اسی فکر میں پھرتا ہوں کہ کسی کا مال
ں تو اسے چُرا لے جاؤں اور داغ حسرت دل پر رکھوں، بلکہ آج اس لیے آیا
ں کہ زاہد کی بھینس، کہ خوب شیردار ہے، اُسے چُرا لے جاؤں اور صرفِ معاش
دوں۔"

دیو نے کہا (مصرع):

"اے جانِ جہاں! تو یارِ مائی"

بحمداللہ کہ رشتہ جنسیت کا مجھ میں تجھ میں مستحکم ہے اور میرا مشرب اور تیرا ایک ہے۔"

شب کو دونوں صومعۂ زاہد میں آئے۔ زاہد عبادت کر کے سو رہا تھا۔ دُزد نے اندیشہ کیا کہ اگر دیو ارادہ زاہد کے مارنے کا کرے اور وہ فریاد کرے اور مردمِ ہم سایہ دوڑ پڑیں تو مطلب میرا فوت ہو جائے گا۔ اور دیو نے خیال کیا کہ دُزد جب کہ بھینس کو لے چلے گا تو دروازہ کھولے گا۔ اُس کی آہٹ سے اگر زاہد جاگ اٹھا تو مارنا زاہد کا توقف میں پڑے گا۔ دیو نے کہا کہ:

"اے دُزد! اندکے تامل کر کہ میں پہلے زاہد کو قتل کر لوں، اس کے بعد تو مطلب اپنا کرنا۔"

دُزد نے کہا کہ:

"میں پہلے گاومیش کو خانۂ زاہد سے باہر لے جاؤں، اس کے بعد تو زاہد کو مار۔"

یہ قصہ اُن دونوں میں پڑا۔ آخر دونوں کا مقال جدال کو پہنچا۔ دُزد نے اس جھگڑے میں زاہد کو آواز دی کہ:

"اے زاہدِ غافل! ہوشیار ہو کہ دیو تیرے مارنے پر مستعد ہے۔"

دیو نے کہا کہ:

"یہ دُزد تیری گاومیش چرائے لیے جاتا ہے۔"

زاہد اُن کے عربدۂ شور انگیز سے بیدار ہو کر چلّایا۔ مردمِ ہم سایہ دوڑے اور یہ دونوں بھاگ گئے۔ نفس اور مال زاہد کا دشمنوں کے خلاف سے محفوظ رہا۔

(بیت):

چو در لشکرِ دشمن افتد خلاف
تو بگذار شمشیرِ خود در غلاف (۱۴۸-۴۹)

۱۹۔ زاہد اور چوہیا

کہتے ہیں کہ زاہدِ مستجاب الدّعوات ایک چشمۂ آب پر بیٹھا تھا۔ ایک چیل چوہیا کو لیے جاتی تھی، اتفاقاً اس کے پنجے سے چھوٹ کر زاہد کے پاس آگری۔ زاہد کو شفقت آئی، اُٹھا کے دامن میں لپیٹ لیا اور گھر کو لایا تاکہ اس کی پرورش کرے۔ پھر خیال آیا کہ اگر یہ جوان ہو اور اہلِ خانہ کو ضرر پہنچائے تو اچھا نہیں ہے اس لیے اللہ سے دعا کی؛ فی الحال وہ لڑکی ہو گئی، نہایت زیبا طلعت، خوش قامت، شگفتہ رو، آشفتہ مو (بیت)

آں کہ بر سَرو زند طعنہ بہ قامت، این است
آں کہ بر ماہ کشد خطِّ غرامت این است

زاہد اس دختر کو دیکھ کے بہت مسرور ہوا۔ اور ایک مرید کو سپرد کیا تا مانند فرزندوں کے پرورش کرے۔

مرید بہ موجبِ اشارۂ پیر اس کی پرورش میں سرگرم ہو۔ تھوڑی مدّت میں حدِّ بلوغ کو پہنچی۔ زاہد نے کہا کہ:

"اے جانِ بابا! اب جوان ہوئی تو۔ چاہتا ہوں میں کہ تیرا گوہرِ پاک رشتۂ ازدواج میں منسلک کروں، یعنی تیرا نکاح تیرے برابر والے سے کر دوں۔ مگر تیری اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ جسے کہ تو پسند کرے اُس کے سپرد تجھے کر دوں۔"

دُختر نے کہا کہ:

"شوہر چاہتی ہوں قادر اور توانا کہ انواعِ شوکت و قدرت اسے حاصل ہو اور بزرگی میں درجۂ رفیع اور مرتبۂ بلند رکھتا ہو۔"

زاہد نے کہا کہ:

"یہ سب صفتیں سوا آفتاب کے اور میں جمع نہیں ہیں۔"

دختر نے کہا:

"سچ ہے، کہ وہ مغلوب کسی مخلوق کا نہیں ہے۔"

صبح کو جب آفتاب نے مطلعِ طلوع سے سر نکالا، زاہد نے صورتِ حال اس سے بیان کی کہ:

"یہ دختر نہایت نیک صورت اور پاک سیرت ہے۔ چاہتا ہوں کہ تیرے ساتھ جُفت کروں، کس لیے کہ شوہرِ توانا اور باشوکت طلب کرتی ہے۔"

آفتاب نے کہا کہ:

"مجھ سے قوی تر ابر ہے کہ ایک لکّہ اس کا مجھے چھپا لیتا ہے (بیت):

آفتابے بدیں بلندی را

پارۂ ابر ناپدید کند"

زاہد نے ابر سے یہی سوال کیا۔ ابر نے کہا کہ:

"اے زاہد! قوّت اور غلبہ میرا ہوا کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے، کہ اندک اشارے میں جدھر چاہتی ہے، مجھے لے جاتی ہے۔"

زاہد نے جواب ابر کا مسلّم جانا اور ہوا سے بھی یہی سوال کیا۔ ہوا نے کہا کہ:

"قوّت میری کوہ کے آگے کیا وقعت رکھتی ہے، کہ اگر ہزار بار میری قوّت ارادہ کرے تو اس کے وقار کو جنبش نہیں دے سکتی ہے۔"

زاہد نے کوہ کے نزدیک آ کے بعدِ اظہارِ ماجرا خواستگاری کی۔ کوہ نے کہا کہ:

"اے زاہد! میری قوت موش کے آگے چکارہ ہے، کہ اس کے ناخن اور دندانِ جگر خراش سے دل اور سینہ میرا مشبّک اور ریش ریش ہے اور کسی طرح اس کے دفع پر قادر نہیں ہو سکتا ہوں۔"

یہ سُن کے دُختر نے کہا کہ:

"سچ ہے کہ موش کوہ پر غالب ہے، لیکن مجھے آدمی چاہیے کہ میں فی الحال

آدمی ہوں"، کہ مقارن اس حال کے ایک موش پیدا ہوا۔ چونکہ دُختر کا سررشتۂ جنسیت اس پر مُنتہی ہوتا تھا اس لیے میلِ تمام اُس موش کی طرف پیدا ہوا اور زاہد سے کہا کہ:

"میں مدّت سے آرزو مند ہم جنس کی ہوں۔ اب دُعا کیجیے کہ میں آدمی سے پھر موش بن جاؤں تا دستِ عشرت آغوشِ شوہرِ ہم جنس میں ڈالوں۔"

زاہد نے جب کہ رغبت موش اور دختر کی باہم درست پائی، دستِ دعا اُٹھائے۔ فی الحال دعا زاہد کی مستجاب ہوئی اور بہ حکم کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ کے ظہور پکڑا، یعنی وہ دختر پھر چوہیا ہو گئی اور زاہد نے موش کے حوالے کی (بیت):

جانِ من! ہر چیز را با اصلِ خود باشد رجوع
ما چو از خاکیم، ما را خاک می باید شدن

(۱۵۵-۵۶)

۲۰۔ بوڑھا سانپ اور مینڈک

کہتے ہیں کہ مارِ کبیر السّن پر پیری نے یہاں تک غلبہ کیا کہ شکار کی طاقت نہ رہی۔ آخر بھوک کے مارے ہلاکت کو پہنچا اور اپنے دل میں کہا کہ اب افسوس جوانی کا اور فکرِ عودِ طاقت کرنا گویا آتش سے رفعِ تشنگی کی امید کرنی ہے۔ اور اس کے سوا اب جو یہ حال پیری کا ہے، کاش اس کو بھی قیام ہوتا؛ سو بھی نہیں ہے، بلکہ دم بہ دم روبہ کمی ہے۔ پس فکرِ ماضی فعلِ عبث ہے۔ اب آگے کی کچھ فکر کرنی چاہیے، یعنی عوضِ فکرِ جوانی کے جو کچھ تجربہ اس مدّتِ عمر میں حاصل کیا ہے بہ موجب اس کے کچھ تدبیر ضرور ہے تا قوامِ بدن اس سے متصور ہو، گو ذلّت پیش آئے تو بھی مضائقہ نہیں ہے، مگر باقی ایامِ حیات دیدہ و دانستہ برباد نہ کیا چاہیے۔

بس اس تصور میں اُس چشمے پر گیا کہ جس میں مینڈک بہت تھے اور اُن میں بادشاہ اور وزیر اور امیر بھی تھے۔ سانپ نے اُس جگہ پہنچ کے سینہ چاک اور اندوہناک

بن کر خاک پر لوٹنا شروع کیا کہ ایک مینڈک اس کے نزدیک گذرا۔ پوچھا کہ:

"کیوں اتنا غمناک ہے؟"

سانپ نے کہا کہ:

"آج مجھ سے زیادہ کون سزاوار غم والم کا ہوگا، کیونکہ مادہ میری حیات کا شکار مینڈکوں کا تھا، آج وہ واقعہ پیش آیا کہ ان کا گوشت مجھ پر حرام ہوا۔ اور اگر قصد بھی شکار کا کروں تو کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔"

اُس مینڈک نے جا کے یہ حال اپنے بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ اس حالِ عجیب سے متعجب ہوا اور سانپ کے نزدیک آ کے پوچھا کہ:

"کیا حادثہ تجھ پر وارد ہوا اور کس عمل کی مکافات میں مبتلا اس بلا کا ہے؟"

سانپ نے یہ بیت پڑھی (بیت):

مجروح میں ہوا نہیں قاتل کے ہاتھ سے
جو کچھ ہوا ہے مجھ پہ، سو اِس دل کے ہاتھ سے

اور کہا کہ:

"اے بادشاہ! حرصِ شوخ چشم نے دامِ بلا میں مجھے ڈالا اور طمعِ فتنہ انگیز نے دروازہ محنت وخواری کا میرے منھ پر کھولا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک دن ارادہ ایک مینڈکی پکڑنے کا کیا میں نے۔ وہ بے چاری خوفِ جاں سے ایک زاہدِ عارف باللہ کے گھر میں جا چھپی۔ میں گوشت کی طمع میں اس کے پیچھے لگا گیا۔ قضارا زاہد کا بیٹا ایک مکانِ تاریک میں سوتا تھا۔ اُس کے پاؤں کا انگوٹھا میرے منھ میں لگا۔ میں سمجھا کہ مینڈک یہی ہے۔ بھوک کے غلبے سے کچھ تمیز نہ رہی۔ میں نے اُس پر دانت مارا۔ فی الحال وہ سرد ہو گیا۔ زاہد یہ خبر پا کے مجھ پر دوڑا۔ میں گھر سے نکل کے صحرا کی طرف بھاگا۔ زاہد میرے پیچھے دوڑا آتا تھا اور بددعا کرتا تھا کہ اے پروردگار، اسے خوار اور بے مقدار کر، اور اسے مینڈکوں کے بادشاہ کا مرکب بنا دے اور کبھی مینڈک پکڑنے پر یہ قادر نہ ہو، مگر صدقے کے طور سے جو وہ بادشاہ اسے کچھ دے، وہ البتہ

کھا لیا کرے۔ اسی ذلّت میں مدّت الحیات رہے۔ یہ دعا اس کی قبول ہوئی۔ اب میں مطلق مینڈک کے پکڑنے پر قادر نہیں ہوتا ہوں۔ آج اسی واسطے میں حاضر ہوا کہ بادشاہ مجھ پر سوار ہوا کرے۔ اب جو کچھ تقدیرِ الٰہی سے ہوا، میں اس پر راضی ہوں، کہ وہ پھرنے والی نہیں ہے۔"

مینڈکوں کا بادشاہ اس میں اپنا فخر سمجھا کہ میں ایسا ہوں کہ مار پر سوار ہوتا ہوں۔ اُس دن سے اس پر سوار ہونے لگا اور ابنائے جنس میں مباہات کرتا تھا۔

دو دن بعد سانپ نے کہا کہ:

"بادشاہ کی عمر دراز ہو، کھانے کے بغیر زندگانی اور قوّت سواری دینے کی نہیں ہو سکتی ہے۔"

بادشاہ نے کہا کہ:

"سچ ہے کہ مجھے مرکب سے گُریز نہیں اور مرکب کو بے قُوت قُوّت سواری کی محال ہے۔"

اُس دن سے دو مینڈک اس کا راتب مقرر کیا۔ سانپ دو ہی مینڈکوں سے رفعِ گرسنگی کرتا تھا اور بے کوشش روزی پاتا تھا اور بقائے حیات کے لیے عار نہ کرتا تھا (رُباعی):

دستے کہ ترا ز دیدنش ننگ آید
در وقتِ ضرور بوسہ دادن شاید
ہر کار کہ عار است، ملال افزاید
در حالتِ احتیاج بد ننماید (۱۵۷-۵۸)

۲۱۔ چور اور پہرہ دار بندر

ولایتِ کشمیر میں بادشاہ تھا کہ ایک بندر کو بہت عزیز رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ آفت کے وقت یہ میرے کام آئے گا، اس لیے اس کی پرورش میں زیادہ تر

مصروف رہتا تھا۔ اور اُس کا بھی یہ حال تھا کہ تمام شب کٹار ہاتھ میں لے کے سرہانے بادشاہ کے تا دمِ صبح کھڑا رہتا تھا، بلکہ تمام شب پلک سے پلک نہ لگاتا تھا۔

قضارا ایک دُزدِ دانا ولایتِ دور دست سے اس شہر میں وارد ہوا۔ شب کو لباسِ عیّاری پہن کے شہر میں گشت کرتا تھا کہ ایک اور دُزدِ بے خرد اور کم تجربہ بھی، باشندہ اُسی شہر کا، اِسی فکر میں گھر سے نکلا تھا۔ اتّفاقاً ان دونوں میں ملاقات ہوئی اور بہ سببِ جنسیت کے باہم متفق ہوئے۔ دُزدِ مسافر نے پوچھا کہ:

"کس طرف چلنا صلاح ہے اور کس کے گھر میں نقب دینا مناسب؟"

دُزدِ نادان نے کہا کہ:

"رئیسِ شہر کے اصطبل میں ایک اسپِ تیز رفتار، باد کردار ہے اور رئیس اس کو نہایت عزیز رکھتا ہے، اس لیے شب کو زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈلواتے ہیں اور چوکی دار بھی معیّن رہتے ہیں۔ اگر اُس اسپ کو پائیں تو شیشہ گر کی دُکان سے شیشۂ گراں قیمت چُرائیں اور اُس پر بار کر کے اور شہر میں لے جائیں۔"

دُزدِ دانا اس بات کو سُن کے متحیّر ہوا۔ چاہتا تھا کہ اس حال کو مشروحاً پوچھے اور اعتراض کرے کہ ناگاہ کوتوال مع جمعیتِ سپاہ سامنے سے آیا۔ دُزدِ دانا حیلے سے ایک کنارے ہو گیا اور دُزدِ بے خرد گرفتار ہوا۔ کوتوال نے پوچھا کہ:

"تو کون ہے اور کہاں جاتا تھا؟"

اُس نے جواب دیا کہ:

"میں چور ہوں، اور ارادہ یہ تھا کہ گھوڑا رئیس کا چُرا کے اور دُکان شیشہ گر کی توڑ کے شیشۂ گراں قیمت اُس پر بار کر کے گھر کو لے جاؤں۔"

کوتوال ہنسا، اور کہا کہ:

"اچھا چور ہے تو، کہ ایسا عزیز گھوڑا، کہ بادشاہ کے چوکی دار جس پر مقرر ہیں، اُسے چرائے اور شیشہ، کہ دو دانگ کو بکتا ہے، اُس پر بار کرے اور آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈالے! شاید کہ شاعر نے یہ مصرع تیری ہی شان میں کہا ہے (مصرع):

بہ زر نخریدہ ای جاں را، از آں قدرش نمی دانی

اگر ارتکاب ایسے مخاطرے کا خزانۂ بادشاہی کے واسطے کرتا تو البتہ سزاوار تھا۔"

یہ کہہ کر ہاتھ اُس کے باندھے اور زنداں کی طرف کھینچا۔ دُزدِ زیرک کو یہ سب حکایت کوتوال اور چور کی سُن کے تجربہ حاصل ہوا اور دل میں کہا کہ یہ چور دوستِ ناداں تھا اور کوتوال دشمنِ دانا۔ دوستِ احمق مجھے ورطۂ ہلاکت میں ڈالتا تھا۔ اگر یہ دشمنِ دانا نہ ہوتا تو کام ہاتھ سے جا چکا تھا۔ اب، جیسا کہ کوتوال کہہ گیا ہے، ارادہ خزانۂ بادشاہی کا مناسب ہے۔ شاید مقصودِ کُلّی حاصل ہو۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ قصرِ شاہی کے نزدیک آیا اور نقب دینا شروع کیا۔ تمام شب امیدِ خزانہ میں سنگِ دیوار کو تیشۂ پولاد سے کاٹا کیا۔ ہنوز عیّارِ شب رَو آفتاب نے بُرجِ مشرق کے تلے نقب نہیں پہنچائی تھی کہ دُزدِ زیرک کی نقب انتہا کو پہنچی۔

اتفاقاً جو مقام کہ بادشاہ کی خواب گاہ کا تھا، اُسی جگہ نقب نکلی۔ دیکھا کہ بادشاہ تخت پر سوتا ہے اور سامانِ تجمّل، گراں قیمت، مسندِ شاہی پر رکھا ہے اور شمعیں کافوری روشن ہیں۔ چور نے نظرِ غور سے دیکھا کہ ایک بندر کٹار ہاتھ میں لیے سرہانے بادشاہ کے ٹہلتا ہے اور چپ و راست بہ ہوشیاریِ تمام دیکھ رہا ہے۔ چور یہ حال دیکھ کر متحیّر ہوا اور کہا کہ یہ سانحۂ نادر ہے کہ بندر کٹار ہاتھ میں لیے اس طرح پاسبانی کرتا ہے! ہنوز اِسی تحیّر میں تھا کہ گُچھا چیونٹیوں کا چھت سے بادشاہ کے سینے پر گرا۔ بادشاہ نے خوابِ غفلت میں ہاتھ اپنے سینے پر مارا۔ بوزینہ دوڑ کے نزدیک آیا۔ دیکھا کہ چیونٹیاں بادشاہ کے سینے پر پھرتی ہیں۔ نہایت غضبناک ہوا کہ مجھ سا پاسبانِ مستعد موجود ہے اور یہ

چیونٹیاں ایسی بے ادب ہیں کہ انھوں نے بادشاہ کے سینے پر پاؤں رکھا! اس حمیّت سے رگِ جہالت اس کی حرکت میں آئی۔ چاہتا تھا کہ کٹار چیونٹیوں پر مارے۔ پس اس صورت میں کام بادشاہ کا ضرور تمام ہو جاتا کہ چور چلّایا کہ:

"او احمقِ بے باک! ہاتھ کو تھام، کہ جہان کو برباد کیا چاہتا ہے۔"

یہ کہہ کر جست کی اور بندر کا ہاتھ مضبوط پکڑا۔ بادشاہ نعرۂ دُزد اور غُرشِ بوزینہ سے جاگ پڑا اور یہ حال مشاہدہ کیا۔ چور سے پوچھا کہ:

"تو کون ہے؟"

چور نے کہا کہ:

"میں تیرا دانا دشمن ہوں اور واسطے طلبِ مال کے آیا تھا۔ میں اگر ایک لحظہ بھی تیری حفاظت میں اہمال کرتا تو اس دوستِ نادان نے جہان کو خون سے لال کر دیا ہوتا۔"

بادشاہ نے سجدۂ شکر کیا اور کہا:

"سچ ہے، اگر عنایتِ ایزدی امداد نہ کرتی تو چور کیوں مہربان ہوتا؟"

اس کے بعد چور کو سرفراز کر کے اپنا مقرّب کیا اور بوزینے کو زنجیر میں باندھ کے اصطبل کو بھیج دیا۔

اب اس کو قیاس کیا چاہیے کہ چور تمام شب اس امید پر کمر باندھے رہا کہ اگر قابو پائے تو خزانۂ بادشاہی کو چُرائے، لیکن قبائے دانش جو اس کے بَر میں تھی، اس لیے تاجِ دولت اس کے سر پر رکھا گیا، اور بندر، کہ محرمِ اسرار اور باوقار تھا، مگر خارِ نادانی، کہ اس کے دامن سے اُلجھا ہوا تھا، اس لیے لباسِ حرمت اس کے بَر سے اُتارا گیا۔ (۶۴ - ۱۶۳)

۲۲۔ خارش زدہ شیر، لومڑی اور گدھا

کہتے ہیں کہ ایک شیر خارش کی علّت میں مبتلا ہوا باوجود تپِ دائمی کے۔

شدتِ خارش سے بہت مضطر تھا اور قوت بالکل ساقط ہو گئی، بلکہ شکار کی بھی طاقت نہ رہی۔

اُس شیر کی خدمت میں ایک روباہ تھی کہ فُضلہ اُس کے طعمے کا چُن کھاتی تھی۔ بس یہی اُس کا قوت تھا۔ جب کہ شیر شکار سے درماندہ ہوا، نوبت روباہ کی اضطراب کو پہنچی۔ ایک دن غلبۂ اشتہا اور تنگیِ معیشت سے شیر کو ملامت کرنے لگی کہ:

"اے بادشاہ درندوں کے! تیری بیماری نے اس بیشے کے جانوروں کو ملول کر رکھا ہے، اور ضعف تیرا جمیع رعایا کے دل میں سرایت کر گیا ہے۔ اس بیماری کی دوا کس لیے نہیں کرتا ہے اور اس دردِ دل خراش کی فکر سے کیوں غافل ہے؟"

شیر نے آہِ سرد کھینچی اور کہا (مصرع):

"مرا خارے ست در دل کاں بہ سوزن در نمی آید

اے روباہ! مدّت گذری ہے کہ اس رنج میں خونِ دل پیتا ہوں اور روز بہ روز کاہیدہ ہوتا جاتا ہوں۔ نہیں جانتا ہوں کہ اِس درد کی کیا دوا ہے، مگر ایک طبیب، کہ جس کے قول پر مجھے اعتماد ہے، اس نے یہ کہا ہے کہ گدھے کے دل اور کان کھانے کے سوا اور کوئی علاج اس کا نہیں ہے۔ اُس وقت سے میں اس اندیشے میں ہوں کہ کس تدبیر سے گدھا ہاتھ آئے کہ میری دوا ہو۔"

روباہ نے عرض کیا کہ:

"اگر حکم ہو تو یہ ناچیز اس کی تدبیر کرے۔ امید ہے کہ برکتِ اقبالِ سلطانی اور سعادتِ دولتِ جاودانی سے مقصود حاصل ہو۔"

شیر نے کہا کہ:

"کیا حیلہ کرے گی، اور دفترِ مکر سے کیا افسوں پڑھے گی اور مجھے اُس گدھے کے پاس کس بہانے سے لے چلے گی؟"

روباہ نے کہا کہ:

"اے بادشاہ! تجھ کو اس صورت سے باہر نہ آنا چاہیے کہ بدن پر کوئی بال باقی نہیں رہا۔ یہ صورت شکوہ و تہامت بادشاہی کے منافی ہے اور کسرِ شان شاہنشاہی اس میں ہے، کہ خویش و بیگانہ اس شکل و شمائل سے بادشاہ کو دیکھیں تو بہت نامناسب ہے؛ بلکہ صلاح یہ ہے کہ میں گدھے کو کسی حیلے سے اس بیشے میں لگا لاؤں اور بادشاہ اس کا شکار کر کے جو چاہے اس میں سے تناول فرمائے۔"

شیر نے کہا کہ:

"کہاں سے اور کیونکر لائے گی؟"

روباہ نے جواب دیا کہ:

"اس جنگل کے قریب ایک چشمہ ہے۔ وہاں ہر روز ایک دھوبی کپڑے دھونے کو آتا ہے، وہیں چرا کرتا ہے، اس کو کسی فریب سے اس جنگل میں لے آؤں گی۔ لیکن بادشاہ اس کے کان اور دل کھا کے باقی ہم لوگوں کو عنایت کرے۔"

بادشاہ نے اس کی بات قبول کی اور عہد کیا کہ باقی سب گوشت تم سب کو دوں گا۔

روباہ اس امید پر کہ بادشاہ فقط دل اور کان کھائے گا، باقی سب ہمیں بچ رہے گا، اُس چشمے کی طرف روانہ ہوئی۔ جب کہ گدھے کو دیکھا، آداب و تسلیمات بجا لائی اور نہایت ملائمت سے پیش آئی (بیت):

بہ شیریں زبانی و لطف و خوشی
تو دانی کہ پیلے بہ موئے کشی

اور بہ کمالِ شفقت کہا کہ:

"اے برادر! تجھے نزار اور رنجور پاتی ہوں۔ سبب کیا ہے؟"

اُس نے کہا کہ:

"یہ گاذر ہمیشہ مجھ سے محنت لیتا ہے اور میری خبر گیری میں کوتاہی کرتا ہے

الم سے دانہ و علف کے جان تلف ہوئی جاتی ہے اور اسے مطلق میرا غم نہیں ہے۔ قریب ہے کہ میرا خرمنِ عمر برباد فنا ہو جائے۔" اور یہ ابیات زبان پر لایا (ابیات):

بہ عمرِ خویش تیمارے نہ دیدم
زکاہ و جو ہمیں نامے شنیدم

خورم ہر روز خوں در زیرِ ایں بار
ہمہ شب خاک می لیسم ز دیوار

مکن عیبم، اگر زار و نزارم
کہ غیر از خاک و خوں خوردے نہ دارم

روباہ نے کہا کہ:

"سلیم الطبع! اگر پاؤں میں طاقتِ رفتار ہے تو کس لیے مبتلا اس بلا کا رہتا ہے؟"

گدھے نے کہا کہ:

"میں بارکشی میں مشہور ہوں۔ بس جہاں جاؤں گا یہ بلا میرے واسطے موجود ہوگی۔ اور میں تنہا اس بلا میں کچھ مخصوص نہیں ہوں بلکہ سب میرے ابنائے جنس اسی آفت میں گرفتار ہیں، اس واسطے دل میں سمجھ لیا ہے کہ ہر جگہ ہمیں یہی جام بلا نوش کرنا ہے اور جامہ جفا کا ہمارے ہی واسطے قطع کیا گیا ہے، پھر در بہ در کے پھرنے سے ایک ہی در پر مقیم رہنا بہتر ہے، اور اس میں جو کچھ کہ پیش آئے اُس پر راضی رہنا مناسب ہے۔"

روباہ نے کہا کہ:

"غلط سمجھا ہے تو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ یعنی بالتحقیق کہ زمین میری وسیع ہے، اور منشور نے سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کے مردانِ جفاکش کے واسطے نزول پایا ہے۔"

گدھے نے کہا کہ:

"ہر چند کوئی تگا پو کرے، زیادہ مقدر سے نہ ملے گا، پھر حرص کو بڑھانا، اور بارِ شدائدِ سفر عمداً اپنے اوپر زیادہ کرنا عقل و دور اندیشی سے دور ہے (نظمِ مولوی معنوی):

رزق آید پیشِ ہر کو رزق بست
رنجِ کوشش ہا ز بے صبری تست
جملہ را رزّاق روزی می دہد
قسمتِ ہر یک بہ پیشش می نہد"

روباہ نے کہا کہ:

"یہ مرتبہ توکّل کا ہے، اور طریقِ اہلِ توکّل جدا ہے۔ پس جو کوئی کہ اس مقام کو نہ پہنچا ہو، اُسے چاہیے کہ بہ موجب حکمِ الٰہی کے عالمِ اسباب میں تدبیر سے غفلت نہ کرے اور ایک وسیلہ روزی کے واسطے ضرور پیدا کرے۔ اسی واسطے اللہ کو مسبّب الاسباب کہتے ہیں۔ جو موافق حکمِ الٰہی کے تدبیر کرے گا، اس کا سبب پروردگار درست کر کے کوئی راہ نکال دے گا۔ کیا یہ مصرع تیرے گوش زد نہیں ہوا ہے؟ (مصرع):

بہ کسب کوش کہ کاسب بُوَد حبیب اللہ

اگر تو راضی ہو تو میں تجھے اُس مرغزار میں لے چلوں کہ زمین اس کی مانندِ کلبۂ زمرّد فروشاں سرسبز اور آب دار ہے، اور ہوا اس کی مانندِ طبلۂ عطّار معطّر، اور نسیم اس کی مانند مشکِ خاص کے معنبر ہے (نظم):

ہوائے خوش و میوہ ہائے فراخ
درختانِ بار آور و سبز شاخ
نسیم و گل و نالۂ فاختہ
چو یارانِ محرم بہم ساختہ

اور اس سے پہلے ایک اور گدھا، کہ زیادہ از حد نزار تھا، اتفاقاً اسی چشمے

پر اس سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ دیکھا تو حال اس کا تجھ سے بھی زیادہ تر خراب، اور قریب بہ ہلاکت تھا۔ مجھے اپنی عادت کے موافق اُس پر بھی رحم آیا اور اُسی مَرغزار میں اسے پہنچا دیا۔ اس نے جو چند روز بہ فراغِ دل اور خاطر خواہ اپنے کھایا اور پیا، اَب دیکھنے کے قابل ہے کہ اپنے ہم جنس میں آج اس کا ثانی فربہ اور مسرور الحال نہ ہوگا۔ تو بھی اگر چلے اور تم دونوں باہم بے محنت و رنج اوقات بسری کرو تو اس سے زیادہ کوئی راحت نہیں ہے، گویا زندہ در بہشت ہونا ہے۔ آگے اختیار ہے۔ اور مجھے بہ جُز شفقتِ بے ریا اور کون کام تجھ سے متعلق ہے؟"

القصّہ روباہ نے ایسا دمدمۂ پُر فریب دم کیا کہ خَرِ نامشخّص کی نانِ طمع تنورِ تزویر میں پُختہ ہوئی۔ مگر وہ گدھا اس سے غافل تھا کہ یہ مکّارہ مجھے اجل کے در پر لیے جاتی ہے۔ کہا:

"اے دوستِ بے ریا! میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے سوائے شفقت اور مجھ سے کیا مطلب ہے۔ پس ایسے دوستِ بے غرض کی بات نہ ماننا تو صواب اندیشی کے خلاف ہے (مصرع):

"ہر چہ فرمائی، بہ جاں من بندۂ فرماں برم"

القصّہ روباہ شیر کے پاس اُسے لے آئی۔ شیر نے فوراً اس پر چنگل مارا۔ گدھا زخمی ہو کر بھاگا۔ بہ سبب ضعف اور ناتوانی کے شیر سے تھم نہ سکا۔ روباہ نے شیر کی اس قدر ناتوانی پر تعجب کیا اور ملامت آغاز کی کہ:

"حرکتِ بے فائدہ کیا نتیجہ رکھتی تھی اور تعجیل کرنا اس کام میں کہ جس کی فرصت باقی ہو، کیا ضرور تھا؟ بلکہ عقل کے لائق یہ تھا کہ ضبط کرتا، اور ثباتِ بادشاہی کے مناسب تھا کہ عنانِ تمکین ہاتھ سے نہ دیتا تا انجام کام کا پشیمانی کو نہ پہنچتا (مصرع):

از پشیمانی چہ سود اکنوں، کہ کار از دست رفت"

روباہ کی باتیں شیر پر گراں گذریں اور دل میں کہا کہ اگر کہتا ہوں کہ میں

نے عمداً اہمال کیا تو بے خردی اور سستی رائے سے منسوب ہوتا ہوں، اور اگر غلبۂ نفس کا اقرار کرتا ہوں تو حریصوں اور شبکوں میں شمار کیا جاتا ہوں، اور اگر ضعف اور ناتوانی کا عذر درمیان لاتا ہوں تو ملازموں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہوں۔ صلاح یہ ہے کہ جواب روباہ کا غضب اور غصّے سے دوں اور ایسی گستاخی سے منع کروں۔ اس کے بعد شیر نے غصّے سے کہا کہ:

"اے روباہ! بادشاہوں کے کام میں ملازم کو دم مارنا اور راز کا پوچھنا بڑی بے ادبی ہے۔ راز بادشاہوں کا ہر چاکر پر روشن ہونا نہ چاہیے۔ اور جو بادشاہ سمجھتے ہیں اسے رائے رعایا کی نہیں پہنچتی ہے۔ مثل عرب کی ہے لَا یَحْمِلُ عَطَایَاھُمْ اِلَّا مَطَایَاھُمْ۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بخشش بادشاہوں کی کوئی اٹھا نہیں سکتا، مگر بار بردار بادشاہوں کے۔ اسی طرح راز بادشاہوں کا رعیّت نہیں جانتی ہے، مگر جو مشیر لائق اس کے ہوتے ہیں۔ اے روباہ! اس خیال اور قیل وقال سے درگذر اور ایسی تدبیر کر کہ گدھا پھر ہاتھ آئے، اور اس خدمت سے رسوخ تیرا زیادہ تر ہو جائے۔"

روباہ دوبارہ گدھے کے نزدیک آئی۔ اور تملّقِ تمام سے رسمِ سلام بجالائی۔ گدھے نے منہ پھیر لیا اور کہا کہ:

"اے مکّارِ بدکار! اوّل مجھ سے وعدہ آزادی کا کیا اور بعد اس کے شیر کے پنجے میں ڈال دیا تو نے!"

روباہ نے کہا کہ:

"اے سلیم دل! کیا خیال کیا تو نے کہ بہ مجرّد دیکھنے طلسم کے بھاگ آیا؟ اور ہنوز خار و گل میں تمیز نہ کی تھی کہ تماشائے گلزار سے کنارہ کر آیا؟ یہ جو تو نے دیکھا، حکما نے اہلِ بیشہ کی تفریح کے واسطے طلسم بنایا ہے۔ یہ مرغزار وہ ہے کہ سوائے جنت کے اس کا نظیر عالم میں نہیں ہے کہ سراپا میوہ و گل اور شادابی ہے۔ اگر طلسم نہ ہوتا تو جانور سب بیشوں کے اس میں آ پھرتے اور رونق اور

لطف اس کا برباد کر دیتے۔ اس واسطے یہ تدبیر حکما نے کی ہے کہ سوا محرم کے غیر دخل نہ پائے۔ اور جو کوئی اتفاقاً آجائے، سو اس طلسم سے ڈر کے بھاگ جائے، جیسا کہ تو بھاگ آیا۔ بھلا تو نے یہ نہ جانا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ پہلے جو کچھ ہوتا تو مجھ ضعیف پر ہوتا، تو تو مجھ سے قوی ہے۔ اگر شیر ہوتا تو کیونکر مجھے چھوڑتا کہ رات دن میں اسی بیشے میں پھرتی ہوں، اور تو کہاں سے ایسا قوی تھا کہ شیر کے پنجے سے چھوٹ جاتا؟ بلکہ تو نے میری ہنسی یاروں میں کروائی کہ سب کہیں گے کہ بس اسی دوست کی عقل و فراست کی مدح کرتی تھی کہ پہلے ہی طلسم کو دیکھ کے ڈر گیا؟ اور ہم اہلِ بیشہ حقیقتِ حال اس جگہ کی سوائے دوست دلی کے اور سے ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ اور یہ جو تو نے دیکھا، محض طلسم اور سحر کاری حکما کی ہے۔ میں نے پہلے چاہا تھا کہ تجھے آگاہ کر دوں کہ ایسی چیزوں کو دیکھ کے خوف نہ کرنا، کہ یہ سب طلسم ہے، مگر تیرے اختلاط میں فراموش ہو گیا۔ اب تو تجھے معلوم ہو گیا؟ پھر میرے ساتھ چل کہ تا جو میں نے کہا ہے اس کا لطف دکھاؤں اور سب طلسموں سے تجھے جا بہ جا آگاہ کرتی جاؤں۔"

خرِ بے خرد دوبارہ فریبِ سحر آمیز پر فریفتہ ہو کر روباہ کے ہمراہ ہوا۔ روباہ نے چند قدم آگے بڑھ کے شیر کو اس کے آنے کا مژدہ دیا اور کہا کہ:

"مطلق جنبش نہ کرنا اور مانندِ نقشِ دیوار ساکت رہنا۔ اگر تیرے برابر سے بھی نکلے تو جنبش نہ کرنا۔ اور جب تک فرصتِ وافی اور قوتِ کافی نہ پانا، رادہ نہ کرنا۔"

شیر نے روباہ کی بات قبول کی۔ اس کے بعد جب کہ گدھا شیر کے نزدیک آیا، روباہ نے کہا کہ:

"دیکھ، یہ وہی طلسم ہے۔"

گدھا شیر کے گرد چرتا تھا، شیر مطلق حرکت نہ کرتا تھا۔ جب کہ خاطر جمع ہوئی، گدھا خوش خوش بے خوف و خطر گرداگرد شیر کے پھرنے لگا۔

خر، کہ ایک مدت سے بھوکا تھا، سبزہ زار خاطر خواہ پا کے کشادہ پیشانی اور غفلتِ تمام سے مشغولِ چراگاہ ہوا۔ جب کہ خوب شکم سیر ہوا، اُسی سبزے پر بہ آرامِ تمام سو رہا۔

شیر نے غافل پا کے جست کی اور پیٹ گدھے کا پھاڑ ڈالا اور روباہ سے کہا کہ:

"تو اس جگہ بیٹھی رہ کہ میں غسل کر کے آؤں تو اس کے کان اور دل کھاؤں کہ حکیم نے یوں ہی حکم کیا ہے۔"

شیر غسل کو گیا۔ روباہ نے دل اور کان گدھے کے نوش فرمائے۔ شیر غسل سے فراغت کر کے آیا۔ ہر چند گوش و دل کو ڈھونڈھا، ایک کو بھی نہ پایا۔ روباہ سے کہا کہ:

"دونوں عضو، کہ میرے علاج ہیں، کیا ہوئے؟"

روباہ نے کہا کہ:

"بادشاہ کی بقا ہو۔ یہ گدھا نہ دل رکھتا تھا، نہ گوش۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر دل ہوتا تو دل عقل کی جگہ ہے، اگر اس میں عقل ہوتی تو میرے فریب میں دوبار کیوں آتا؟ اور اگر کان ہوتے تو کان سماعت کی جگہ ہے، اور یہ صولت اور حملہ بادشاہ کا آنکھ سے دیکھ چکا تھا، پھر میری بات کو نہ سنتا اور اپنے پاؤں سے آپ گور میں نہ آتا۔" (۱۶۹-۷۱)

۲۳۔ خُنثیٰ کی کرامت

ایک مردِ درویش، کہ پیشۂ شکارِ مرغ و ماہی سے گذرانِ اہل و عیال کی کرتا تھا، ایک دن دام بچھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ بہ ہزار انتظار تین مرغ دام کے نزدیک آئے، قریب تھا کہ پھنس جائیں۔ اس اثنا میں آوازِ جدل آمیز آنے لگی۔ صیّاد ڈرا کہ مبادا اس آواز سے یہ مرغ وحشت ناک اُڑ جائیں تو تمام اہل و عیال

آج فاقے سے رہیں۔ اس اندیشے میں ٹٹی کی آڑ سے باہر آیا۔ دیکھا کہ دو طالب علم مسئلۂ فقہ میں بحث کرتے ہیں اور مقال اُن کا جدال کو پہنچا ہے۔ صیّاد نے اُن سے سماجت کی کہ:

"تم شور نہ کرو، تا شکار میرا ضائع نہ ہو جائے۔"

انھوں نے کہا کہ:

"اگر ہمیں اس شکار میں شریک کرے، یعنی فی کس ایک مرغ ہمیں بھی دے، تو ہم دم بہ خود ہو جائیں۔"

صیّاد نے کہا کہ:

"اے عزیزو! میں فقیر صاحبِ عیال ہوں، اور قُوت کتنے شخصوں کا انھیں مرغوں پر موقوف ہے۔ اگر تم دو مُرغ ان میں سے لے جاؤ تو میں ایک مرغ سے دس آدمیوں کی کیونکر تسلّی کروں گا؟"

انھوں نے جواب دیا کہ:

"تو ہر روز یہی کام کرتا ہے، اور ہم نے مدّت سے گوشت نہیں کھایا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم دو مُرغ نہ لیں، والّا ہم اتنا شور کریں گے کہ مرغ اُڑ جائیں گے۔ نہیں تو ہم سے شرط کر کہ دو مرغ ہمیں دے کہ تا ہم طلبہ اور مدرّس کی مہمانی کریں۔"

صیّاد نے ہر چند معذرت کی اور کہا کہ:

"تمھارے مُدرّس نے میرا جال نہیں بُنا ہے، اور نہ تمھارے طلبہ نے میری رسّی کو بٹا ہے، اور نہ مدرّس نے دانہ جال میں ڈالا ہے، بلکہ میں نے زمینِ وقف میں جال لگایا ہے۔ بھلا یہ کب شرع میں درست ہے کہ میرا شکار دو ثلث تم بہ زور لے لو؟"

جب کہ طلبہ نے کوئی عُذر صیّاد کا نہ سُنا، ناچار ہو کے وعدہ کیا اور وہ تینوں مُرغ پکڑے۔ اس کے بعد بھی صیّاد نے اُن سے بہت عذر کیا کہ:

"مجھ پر رحم کرو اور یہ مرغ مجھ سے نہ لو۔"

انھوں نے کہا کہ:

"یہ بے فائدہ گفتگو ہے۔ شرط کے موافق دو ہمارے حوالے کر۔"

بہ ناچاری صیّاد نے دو مُرغ اُن کے حوالے کیے اور کہا کہ:

"میں نے یہ رنج اپنے اوپر گوارا کیا اور تحفہ تمھیں گذرانا، مگر وہ لفظ، کہ تم جس میں بحث کرتے تھے، مجھے بھی سکھا دو کہ مجھے اُس سے فائدہ حاصل ہو، کہ جیسے انھیں الفاظ کی بدولت دو مُرغ تمھارے ہاتھ آئے۔"

انھوں نے کہا کہ:

"ہم خُنثیٰ کی میراث اور لفظ میں بحث کرتے تھے۔"

صیّاد نے کہا کہ:

"خُنثیٰ کے کیا معنی ہیں؟"

انھوں نے کہا کہ:

"معنی یہ ہیں کہ خُنثیٰ کو نہ مرد کہیں گے اور نہ عورت۔"

صیّاد نے اس لفظ کو یاد رکھا اور بہ کمالِ ملال و کلال اپنے گھر آیا اور صورتِ حال اپنے عیال سے بیان کی اور وہ رات ایک ہی مُرغ کے گوشت پر سب نے کاٹی۔

دوسرے دن، کہ مُرغِ زرّیں جناح آشیانۂ چرخِ چارم سے کنگرۂ آسمانِ دنیا پر جلوہ گر ہوا، صیّاد نے دامِ ماہی اٹھا کے لبِ دریا آیا اور دام پھینکا۔ قضارا ایک ماہی دام میں آئی کہ ایسی مچھلی کسی نے نہ دیکھی اور نہ سنی تھی، کہ مانند بوقلموں کے رنگ اُس کے حساب سے باہر تھے۔ صیّاد اس کی شکل و شمائل سے متحیّر ہوا اور دل میں کہا کہ کبھی ایسی مچھلی کسی نے نہیں دیکھی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے زندہ بادشاہ کے پاس لے جاؤں۔ اگر بادشاہ کو پسند آئے تو یہ کلفت میری مٹ جائے۔ ایک ظرف میں پانی بھر کے اور اُس مچھلی کو رکھ کے درِ دولتِ بادشاہی پر لایا۔

قضارا بادشاہ اُس باغ میں بیٹھا تھا کہ اس کے آگے سنگِ رخام کا ایک حوض بنایا تھا اور مچھلیاں رنگارنگ کی اُس میں چھٹی ہوئی تھیں اور تماشا اُن کا دیکھتا تھا کہ ناگاہ صیّاد نے اُس مچھلی کو پیش کش کیا۔ بادشاہ نے ایسی مچھلی کبھی دیکھی نہ تھی دیکھ کے بہت خوش ہوا اور حکم کیا کہ:

"ہزار دینار اسے انعام دو۔"

ایک وزیر بادشاہ کی خدمت میں گستاخ تھا۔ اُس نے آہستہ بادشاہ سے عرض کیا کہ:

"صیّاد اور دریا بہت ہیں، اور مچھلیاں بے شمار۔ اگر اسی طرح سے بادشاہ انعام دیا کرے گا تو غالب ہے کہ خزانے میں کچھ باقی نہ رہے۔ صیّاد کو انعام فراخورِ استحقاق چاہیے، نہ ہزار دینار۔"

بادشاہ نے کہا کہ:

"اب میں ہزار دینار زبان سے کہہ چکا ہوں، کیونکر اس سے پھروں؟"

وزیر نے کہا کہ:

"حضور ایک ایسا حیلہ فرمائیں کہ خلافِ حکم بھی نہ ہو اور ہزار دینار بھی برباد نہ جائیں۔ وہ یہ ہے کہ بادشاہ اس سے سوال کرے کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟ اگر وہ کہے کہ نر ہے، کہیے کہ مادہ اس کی لا۔ اور اگر کہے کہ مادہ ہے تو نر کی طلب فرمائیے۔ اور یہ ارشاد ہو کہ اس کے بعد ہزار دینار تجھے ملیں گے۔"

بادشاہ نے یہی سوال صیّاد سے کیا۔ صیّاد مردِ دیرینہ اور تجربہ کار تھا۔ دریافت کیا کہ وزیر نے بادشاہ کو ایسا کچھ تعلیم کیا ہے کہ اس سوال میں کچھ سر ہے۔ آخر اسے وہی لفظ یاد آیا کہ جو روزِ گذشتہ طلبہ سے سیکھا تھا۔ عرض کیا کہ:

"اے بادشاہ! یہ مچھلی نہ مذکّر ہے، نہ مونّث، بلکہ خُنثیٰ ہے۔"

بادشاہ کو یہ جواب اس کا نہایت پسند آیا اور وزیر پر زجر فرمایا۔ اور دو ہزار دینار اُسے انعام دیا اور اپنا ندیم کیا۔ (۲۴-۲۲۳)

۲۴۔ زاہد اور ٹھگ

ایک زاہد، صاحب وَرَع، قربانی کے واسطے ایک گوسپند فربہ خرید کر کے اپنے صومعے کو لیے جاتا تھا۔ گروہ طرّاروں کا اس گوسپند کو دیکھ کے لوٹ گیا اور چاہا کہ کسی فریب سے یہ گوسپند اس سے لیجیے۔ صلاح کر کے راہ میں کھڑے ہو رہے۔ جب کہ زاہد نزدیک آیا، ایک بولا کہ:

"یا شیخ! یہ سگ کتنے کو لیا ہے؟"

دوسرا بولا کہ:

"یہ کتّا کہاں لے جائے گا؟"

تیسرے نے کہا کہ:

"اے شیخ! مگر ارادہ شکار کا ہے کہ اس سگ کو ہاتھ میں لیا ہے؟"

ایک کہتا تھا کہ:

"غلبۂ شوق سے زاہد ناچار ہے۔"

دوسرا طعنہ دیتا تھا کہ:

"باوجود صلاح و تقویٰ کے سگِ ناپاک کو ہاتھ میں لیا ہے کہ خانۂ خدا کو ناپاک کرے۔"

غرض اسی طرح ہر ایک مکّاری سے نئی طرح کا کلام کرتا تھا۔ زاہد نے دل میں کہا کہ اتنے شخص کچھ واہی تو نہیں ہیں کہ گوسپند کو سگ کہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ کتّا ہے اور فروشندہ اس کا ساحر تھا، اس لیے اُس نے میری نگاہ میں اسے بکری کر دکھلایا ہے۔

اس کے بعد زاہد نے طرّاروں سے کہا کہ:

"اگر اتنی مہربانی کرو کہ اسے پکڑے رہو تو میں اس کے فروشندے

کو دوڑ کے پکڑ لاؤں اور کتے کو اس کے حوالے کر کے اپنے دام پھیر لوں۔"

طرّاروں نے قبول کیا اور زاہد فروشندے کے پیچھے دوڑا۔ اُدھر زاہد روانہ ہوا، اِدھر ایک طرّار نے بکری کو اپنے گھر میں پہنچایا۔ جب کہ زاہد اُسے پکڑ لایا، پوچھا کہ:

"بکری کہاں ہے؟"

طرّاروں نے کہا کہ:

"اے زاہد! خدا شناسی سے بہت دور ہے کہ سگِ درندہ تو ہمارے حوالے کر گیا تھا کہ تیرے جانے کے بعد وہ ہمیں کاٹنے کو دوڑا۔ ہم نے خوفِ گزند سے چھوڑ دیا، سو وہ اُس طرف بھاگا گیا ہے۔"

زاہد نے ہر چند اُس سے قضیہ کیا پر بکری نہ ملی اور دام بھی فروشندے سے پھیر نہ پائے۔ آخرِ کار ناچار ہو کر اپنے گھر آیا اور طرّاروں نے اس حیلے سے کامِ دل حاصل کیا۔ (۱۴۶)

۲۵۔ دانا دل اور قزّاق

کہتے ہیں کہ شہرِ رقّہ میں ایک درویش تھا۔ اخلاقِ پسندیدہ اور آدابِ ستودہ سے آراستہ اور اقوال اور افعال اس کا مکارمِ اوصاف سے پیراستہ تھا، اور دل حقائقِ معرفت سے دانا رکھتا تھا، اس لیے اُسے دانا دل کہتے تھے، اور عمائدِ شہر سب اس کے معتقد تھے۔

ایک دن وہ متوجہ بیت اللہ کی زیارت کا بے رفیق و ہمراہ ہوا۔ ناگاہ راہ میں ایک گروہ قزّاقوں کا اُسے ملا۔ گمان اُن کو تھا کہ یہ بہت مال دار ہے۔ ارادہ قتل کا کیا۔ دانا دل نے کہا کہ:

"میرے پاس مالِ دنیا سوائے توشۂ حج اور نہیں ہے۔ اگر غرض تمھاری وہ مال ہے تو لے جاؤ اور مجھے چھوڑ دو۔ میں بہ طریقِ توکّل چلا جاؤں گا۔"

اُن بے رحموں نے اس کی بات پر التفات نہ کیا اور تلوار کھینچی۔ بے چارہ متحیّر ہر طرف دیکھتا تھا اور مددگار ڈھونڈھتا تھا۔ اُس میدانِ وحشتناک اور صحرائے سہمگیں میں کوئی مُتنفّس نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا کہ ایک جوق کلنگوں کا اڑ رہا ہے۔ دانا دل نے آواز دی کہ:

"اے کلنگو! میں اس بیابان میں ان ستمگاروں کے ہاتھ پڑا ہوں اور سوائے حضرتِ عالمِ الخفیّات کے کوئی میرے حال سے آگاہ نہیں ہے۔ تم انتقام میرے خون کا اس جماعتِ ناخدا ترس سے، اگر ہو سکے تو، لینا۔"

قزّاق ہنسے اور کہا کہ:

"کیا نام ہے تیرا؟"

اس نے کہا کہ:

"مجھے دانا دل کہتے ہیں۔"

قزّاقوں نے کہا کہ:

"تیرا دل دانائی سے بے خبر ہے، بلکہ تو سخت بے عقل ہے، اور جو کہ بے عقل ہو اس کے مارنے میں کوئی وبال نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر اُسے قتل کیا اور مال سب لے گئے۔

جب کہ یہ خبر اہلِ شہر کو پہنچی، تاسّف کیا اور سب اس فکر میں ہوئے کہ اس کے کُشندے کسی طرح معلوم ہوں۔ بعد ایک مدّت کے اکثر اہلِ شہر عید کے دن عیدگاہ میں حاضر تھے اور قاتل دانا دل کے بھی اُس مجمع میں بیٹھے تھے کہ ایک فوج کلنگوں کی ہوا پر پیدا ہوئی اور کلنگیں قزّاقوں کے سر پر اُڑنے لگیں، اور اتنا شور کرتی تھیں کہ لوگ آواز ایک دوسرے کی نہ سُنتے تھے۔ ایک قزّاق نے ہنس کے اپنے یار سے آہستہ کہا کہ:

"یہ کلنگیں وہی نہ ہوں کہ دانا دل کے قتل کے وقت حاضر تھیں!"

اتفاقاً ایک شخص، کہ جو اُن کے نزدیک بیٹھا تھا، اُس نے یہ بات سُنی اور

اس نے دوسرے سے کہا۔ آخر شُدہ شُدہ حاکم تک خبر پہنچی۔ اُن کو گرفتار کیا اور تھوڑے سے مطالبے میں انھوں نے اقرار کیا۔ فوراً قصاص کیا گیا اور مکافات خونِ ناحق کی پائی (قطعہ):

کہ کرد در ہمہ عالم کمانِ ظلم بہ زِہ
کہ تیرِ لعنتِ جاوید را نشانہ نہ شد
کہ در زمانۂ بے اعتبار طرحِ ستم
خیال بست کہ خود عبرتِ زمانہ نہ شد

(۱۸۷ - ۸۸)

۲۶۔ اُندلُس کا دہقان

کہتے ہیں کہ شہرِ اُندلُس میں ایک دہقان تھا کہ ہاتھ اس کا کشادہ اور اسبابِ زراعت سب آمادہ تھا، چنانچہ چند روز میں تین سو دینارِ سرخ اس نے جمع کیے۔ اُس مال سے خوش رہتا تھا اور اس میں سے کچھ صَرف نہ کرتا تھا۔ ہر روز انھیں کھول کے آگے رکھتا تھا اور شمار کرتا تھا اور اُس زعفران زارِ طرب افزا سے لبِ عیش کو خنداں کرتا تھا۔

ایک دن عادتِ مستمرہ کے موافق گن کے چاہتا تھا کہ تھیلی میں رکھے کہ ایک آشنائے قدیم نے دروازے پر آواز دی۔ دہقاں نے بہ حکمِ اِسْتَرْ ذَهَبِكَ اس خوف سے کہ آشنا کو علم اس کا نہ ہو، جلدی سے اشرفیوں کو ایک سبو میں ڈال دیا اور جلد باہر آ کے اُس آشنا کے ساتھ کسی کام کے واسطے ایک قریے کو گیا، اور جانے کے وقت اپنی زوجہ سے تاکید کر گیا کہ کھانا پکا رکھنا۔

جب کہ دہقان گیا، عورت نے چاہا کہ آش پکائے۔ گھڑے کو خالی

سمجھ کے گھر سے باہر لے کے آئی اور منتظر تھی کہ کوئی آشنا صورت نظر آئے تو اس سے پانی منگواؤں۔ قضارا ایک قصّاب گاو کی خریداری کے واسطے اُس قریے میں شہر سے آیا تھا۔ اُس طرف اتفاقاً اس کا گذر ہوا۔ زنِ دہقان نے، کہ اس سے تعارف رکھتی تھی، کہا کہ:

"اتنی تکلیف کر کہ یہ گھڑا مجھے کنویں سے بھر لا دے۔"

روستائی نے قبول کیا اور وہ گھڑا اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور اُس عورت کو یہ علم نہ تھا کہ اس میں اشرفیاں ہیں۔ قصاب گھڑے کو پس پشت رکھ کے کنویں کی طرف چلا۔ راہ میں اُسے معلوم ہوا کہ کوئی چیز اور اس گھڑے میں کھڑکتی ہے۔ جب کہ گھڑے میں ہاتھ ڈال کے دیکھا تو توڑا اشرفیوں کا پایا۔ خوش ہو کے چھپا لیا اور کہا (بیت):

"دولت آن است کہ بے خونِ دل آید بہ کنار
ورنہ باسعیِ عمل باغِ جناں ایں ہمہ ہیچ"

اور ستائش اور منّت حضرت اللہ تعالیٰ شانہ، کی بجا لا کے کہتا تھا کہ:

"بے شائبۂ محنت اور مشقت اور بے غائلۂ رنج و اذیّت یہ نعمتِ بے نہایت اور دولتِ بے غایت مجھے عنایت فرمائی۔ اب شکر گذاری اِس نعمتِ غیر مترقب کی واجب ہے، اور حرفت بھی اپنی چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ اور اس زر کو برائے وقتِ احتیاج ذخیرہ رکھنا چاہیے۔"

اس کے بعد اُس قصاب کو زر کی خوشی میں پانی اور گھڑا سب بھولا، اور اپنے زر سے، کہ ہمراہ لایا تھا، ایک گاوِ فربہ خرید کر کے گھر کی راہ لی جب کہ اُس قریے سے نکلا اور شام ہوئی، دل میں اندیشہ کیا کہ یہ زر میرے پاس ہے اور اس راہِ خطرناک سے کیونکر امان ملے گی؟ اور اگر کہیں دفن کرتا ہوں تو مبادا نشان اس مکان کا بھول جاؤں، اور اگر کسی کے پاس کسی قریے میں امانت رکھتا ہوں تو رسم امانت داری کی اس زمانے سے اُٹھ گئی ہے۔

صلاح یہ ہے کہ اِن دیناروں کو کسی طرح سے گاو کے حلق سے اُتار دوں۔ جب کہ گھر میں پہنچ کے اسے ذبح کروں گا، بجنس نکال لوں گا۔ اس کے بعد بے چاری گائے کو اس بلا میں مبتلا کیا اور گوسالۂ سامری کے مانند پُر زر کر کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ قضا را راہ میں اس کا بیٹا ملا۔ چند اور کام کہ قصاب کو ضرور تھے، اس کا بیان بیٹے سے کیا اور ان کاموں کے واسطے قصاب پیچھے کو پھرا اور گاو کو بیٹے کے سپرد کیا، اور بیٹے کو اس راز سے آگاہ نہ کیا۔

اس عرصے میں دہقان اپنے گھر کو پھرا تھا۔ اور ایک مدّت سے دہقان نے نذر مانی تھی کہ ایک گاوِ فربہ قربانی کروں گا۔ جب کہ ایسی فربہ گائے دیکھی، واسطے خریداری کے متوجہ ہوا، اور جو قیمت کہ مانگی اس سے زیادہ دے کر اور گائے کو لے کر گھر کو آیا اور ارادہ قربانی کا کیا۔ اس حال میں اُسے اشرفیوں کا توڑا یاد آیا کہ اس سُبو سے نکال کے جائے محفوظ میں رکھے۔ ہر چند تلاش کیا، سبو کو نہ پایا۔ عورت سے پوچھا کہ:

"گھڑا کیا ہوا؟"

عورت نے تمام حکایت بیان کی۔ دھواں دہقان کے دل سے اٹھا اور زار زار رونے لگا۔ اور خردِ دور بین رُسوائی سے ڈراتی تھی کہ خاموشی اولیٰ ہے کہ شماتتِ اعدا سے تو بچے گا (بیت):

جماعتے کہ بگریند بہر مال و منال
یقیں بداں تو کہ بر خویشتن ہمی خندند

دہقان ایک ساعت ورطۂ تحیّر میں رہا آخر دل کو راضی قضائے الٰہی پر کیا اور کہا (مصرع):

"بگذاشتیم، تا کرمِ او چہا کُند"

اس کے بعد گائے کو قربانی کیا اور پیٹ چیرا۔ توڑا اشرفیوں کا بجنسہٖ

اس کے پیٹ سے نکل آیا۔ خوشی سے بے ہوش ہو گیا۔ جب کہ ہوش میں آیا، صُرّہ اٹھایا اور چاک کر کے چومتا تھا اور آنکھوں سے لگاتا تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ ایسا امرِ عجیب اور سانحۂ غریب نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا تھا اور نہ کانوں نے سُنا تھا کہ جس طرح سے یہ زر ہاتھ آیا۔ اگر بارِ دیگر ایسا حادثہ پیش آیا تو بغیر اس زر کے زندگانی نہ ہوگی۔ اب احتیاط واجب ہے۔

اس کے بعد وہ دہقان ہمیشہ اُس توڑے کو اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور اس کی عورت ہمیشہ اس بات پر اسے ملامت کرتی تھی کہ یہ عمل طریقِ توکّل سے دور ہے۔ اور ذخیرہ رکھنا، یہ دلیل ہے خدا کی رزّاقی پر اعتماد نہ کرنے کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ضامن رزق کا ہے اور اپنے بندوں کو ہر حال میں روزی پہنچاتا ہے، پھر ذخیرہ رکھنے کے کیا معنی؟ اور عاقلِ کامل وہ ہے کہ مال کے جمع کرنے میں حرص نہ کرے اور دیدۂ توکّل کرم پر کریم کارساز کے کھُلے رکھے کہ کوئی فردِ عالم ایسا نہیں ہے کہ اس کے خوانِ احسان سے روزی نہ پاوے، اور یقین کرنا چاہیے کہ روزِ ازل سے جو مقدّر ہوا ہے، زیادتی اور نقصان اس میں ممکن نہیں کہ پیشانیِ تقدیر میں بیش و کم کی گنجائش نہیں رہی ہے۔

دہقان نے کہا کہ:

"اے عورت! عالمِ اسباب میں تدبیر کے بغیر کام نہیں نکلتا ہے۔ ظاہر میں رعایت اسباب کی کرنا اور باطن میں ساغرِ شرابِ توکّل پینا چاہیے (رباعی[1] لمولفہ):

زنہار نہیں ہے یہ توکّل
کرتا ہے ہر امر میں تغافل
ہشیاری بھی کر، خدا کو بھی سونپ
یک جا ہو توکّل و تعقّل"

---

[1] یہ رباعی نہیں ہے (مرتّب)۔

عورت خاموش ہو رہی اور دہقان نے وہ اشرفیاں کمر میں باندھیں اور اپنے کام میں مشغول ہوا۔

ایک دن چشمۂ آب پر غسل کرنے کو گیا اور وہ اشرفیاں کمر سے کھول کے کنارے رکھ دیں۔ جب کہ نہانے سے فارغ ہوا، کپڑے پہن کے روانہ ہوا اور اشرفیاں اُسی جگہ بھول گیا۔ مقارن اس کے ایک شبان بکریوں کے پانی پلانے کو اُسی جگہ وارد ہوا اور وہ اشرفیاں لبِ چاہ دیکھ کے جلد اٹھا لیں اور اپنے گھر کو بھاگا۔ اور گھر میں آ کے شمار کیں تو تین سو دینارِ سُرخ تھے۔ اپنے دل میں کہا کہ یہ دولتِ خداداد بے سعی ہاتھ آئی ہے۔ اسے محافظت سے رکھوں اور معاش اپنی حرفتِ قدیم سے کیا کروں۔ اور یہ مبلغ روزِ سیاہ کے واسطے رکھ چھوڑوں۔ بعد اس کے دم کو لے رہا اور کسی سے یہ مذکور نہ کیا اور اپنی شبانی میں مشغول رہا۔ لیکن اس کے بعد اُس سادہ لوح نے دل اپنا یہاں تک اُن اشرفیوں سے لگایا کہ ایک حالت عشق کی پیدا ہوئی۔

جب کہ دہقان کو گھر جا کے اشرفیاں یاد آئیں، بادلِ محزوں اور بادیدۂ پُرخوں پھرا اور بہت سی تلاش کی پر مطلب کو نہ پہنچا۔ آخر مایوس ہو کے گھر آیا۔ اور صورتِ حال اپنی زوجہ سے بیان کی۔ چونکہ پہلے سے عورت کا دل شوہر کی اس حرکت سے پھر رہا تھا، جب کہ یہ کیفیت سُنی، زبانِ ملامت کھولی اور کہا کہ:

"اے ناعاقبت اندیش! اُس زر کے حفظ میں یہ مبالغہ کیا تو نے، اور ہمارے نفقے میں تنگی رکھی۔ اب اس زر کی حسرت میں آنکھوں کو نمناک اور دل کو غمناک رکھ۔"

دہقان نے کہا کہ:

"سچ کہا تو نے (بیت):

بہ دردِ دوری اگر مبتلا شدیم، رواست
کہ روزِ وصل نہ گفتیم شکرِ نعمتِ او

محض عبث اور عبثِ محض تھا کہ زر کے جمع کرنے میں سعیِ بے فائدہ کی اور اہل و عیال پر تنگیِ معاش رکھی۔ کوئی عاقل ایسا نہ کرے گا کہ صُرّۂ زر کو کمر میں باندھ کے محنت کرے اور اہل و عیال کی تکلیف روا رکھے، مگر عوض اس کا یہی تھا کہ کارخانۂ تقدیر سے ایسا نقش ظاہر ہوا کہ اس طرح سے میں گردابِ تحیر میں پڑا۔ اب، کہ ساحلِ نجات کو نہیں پہنچ سکتا ہوں، یہ رُباعی گویا کی میرے حسبِ حال ہے (رباعی):

ہر چند ملی خدا سے دولت مجھ کو
لیکن نہ ملا گنجِ قناعت مجھ کو
غفلت سے میں افسوس نہ سمجھا کہ یہ حرص
کر دے گی گرفتارِ مصیبت مجھ کو"

اس کے بعد دہقان اسی غم میں مبتلا رہا اور یہ نذر کی کہ اگر پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے مال دے گا تو میں جمع نہ کروں گا بلکہ صرفِ بجا میں کوشش کروں گا۔ اس کے بعد توکّل سے توسّل کر کے کلید اپنے قفلِ بستہ کی حضرتِ معبود کو تفویض کی اور یہ بیت مولّف کی تکرار کرتا تھا (بیت):

کر توکّل، رزق بے اندازہ ہے
ہر جگہ اللہ کا دروازہ ہے

اور اُدھر شبان کا یہ حال تھا کہ اُس توڑے کو اپنی بغل میں رکھتا تھا اور بکریوں کو چَرایا کرتا تھا۔ ایک دن ایک کنویں کے پاس بیٹھا نگہبانی کرتا تھا کہ ایک غول سواروں کا دور سے نظر آیا۔ ڈرا کہ مبادا یہ سوار اشرفیاں مجھ سے چھین لیں۔ اُس توڑے کو اُسی کنویں میں ڈال دیا اور بکریاں لے کے اپنے گھر کو بھاگا۔ اتفاقاً وہی دہقان مزدوری کے واسطے گھر سے باہر نکلا تھا۔ جب کہ اُس کنویں کے قریب پہنچا، بادِ سخت و تُند وزاں ہوئی اور دستار اُس کی سر سے اُڑ کے اُس کنویں میں جا پڑی۔ دہقان جلدی سے اُس کنویں میں اُترا اور دستار اپنی کنویں میں ڈھونڈھنے لگا۔ ناگاہ وہی توڑا اشرفیوں کا اس کے ہاتھ آیا۔ یہ وہ مثل ہے کہ ایک شخص کہربا

ڈھونڈھتا تھا، یاقوت پایا۔ دہقان شکرِ الٰہی بجالایا اور اپنے گھر میں آ کے یہ قصّہ اپنی عورت سے کہا۔ اس کے بعد جو شمار کیا تو وہی تین سو عدد پورے تھے۔ دہقان نے کہا کہ:

"اُسی قدر کہ میرے کم ہوے تھے، اُتنے ہی دینار اللہ تعالیٰ نے غیب سے مجھے عنایت کیے۔"

اس کے بعد جو اس نے نذر کی تھی، اُسے وفا کیا، یعنی اُن کو خرچ کرنا شروع کیا۔ کچھ اُس میں سے نفقہ عیال کا کرتا تھا اور کچھ راہِ خدا میں صرف کرتا تھا، یہاں تک کہ دو سو دینار خرچ ہو گئے۔

اور وہ شبان شب کو اُس چاہ پر آ کے کنویں میں اُترا۔ ہر چند تلاش کیا، اپنے یوسفِ گم گشتہ کو نہ پایا۔ یعقوب وار رویا اور کہا کہ:

"اُس مال کے بغیر، کہ محبوبِ جانی تھا، زندگانی سے کیا راحت ملے گی؟"

اور یہ بیت ناسخ کی پڑھتا تھا (بیت):

کاش ہوں دل کی طرح دیدۂ بیدار جُدا
کس کا نظارہ کروں گا کہ ہوا یار جُدا

اسی طرح سے شبان حیران اور پریشان، تاسّف کناں پھرتا تھا۔

ایک مدّت کے بعد شہر میں آیا اور گذر اس کا اُسی دہقان کے گھر میں ہوا۔ دہقان جلدی سے اُٹھا اور اپنی عادت کے موافق اُس شبان کو مہمان کیا، اور کھانا کھانے کے وقت کلام باہم کرنے لگے۔ دہقان نے دیکھا کہ آثار ملال کے شبان کے چہرے پر ظاہر ہیں کہ بار بار اشک باری کرتا ہے۔ دہقان نے سبب رونے کا پوچھا۔ شبان نے کہا کہ:

"کیونکر شکستہ دل نہ ہوں کہ یہ بیت میرے ہی حسبِ حال ہے (بیت):

آں چہ از من گم شُد است، ار از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے"

اور کہا کہ:

"تین سو اشرفیوں کا میں مالک تھا اور قوّتِ دل اور راحتِ جان اور نورِ بصر اور سرورِ سینہ مجھے انھیں سے حاصل تھا۔ فلانے دن ظالموں کے خوف سے فلانے کنویں میں ڈال دی تھیں۔ دوسرے دن جو ڈھونڈھا تو اثر اُن کا نہ پایا۔"

دہقان نے جب کہ یہ بات سُنی، متحیّر ہوا اور عورت کے پاس جا کے کہا کہ:

"اس مال کو میں حلال جانتا تھا اور دستِ تصرّف اس پر دراز کیا تھا، سو وہ حق اس مہمان کا ہے اور میں غفلت کے سبب سے ورطۂ وبال میں پڑا۔ اب جس قدر کہ رہا ہے وہ اس مہمان کو سپرد کر دوں، اور جو کہ خرچ ہو چکا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے میرا دسترس کرے گا تو اُسے ادا کر دوں گا ورنہ عمر اپنی استغفار میں بسر کروں گا۔ اور اللہ عالم ہے کہ بے علمی نے مجھے ورطۂ بازخواست میں ڈالا۔ اور اس حال کا افشا بھی نہ کروں نہیں تو فی الحال یہ تینوں سو اشرفیوں کا مطالبہ ابھی کرے گا اور میں اس کے ادا کرنے میں عاجز آؤں گا۔"

عورت نے یہ بات بہت پسند کی کہ حق حق دار کو پہنچانا اور قناعت اور توکّل سے ساز کرنا واجب ہے، تا حق تعالیٰ عوض ان کا ہم کو پھر عنایت کرے۔ جو کہ توکّل کو اختیار کرتا ہے، جلد مقصد کو پہنچتا ہے۔ دہقان نے سَو دینار جو باقی رہے تھے، بر سبیلِ ہدیہ شبان کے آگے رکھے۔ شبان نے کمالِ منّت سے اٹھا لیے اور گِنے تو پوری سو اشرفیاں تھیں۔ شبان نے دل میں کہا کہ یہ فالِ نیک ہے۔ امید ہے کہ باقی دو سو بھی مل جائیں۔ اور اِن سَو کو نہایت محافظت سے رکھا چاہیے تا پھر رنج میں گرفتار نہ ہوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ اس کے بعد ایک چوبِ دستی بہت موٹی، کہ جسے لٹھ کہتے ہیں، اُس شبان کے ہاتھ میں تھی، اُسے تھوڑا چیرا اور مجوّف کر کے وہ اشرفیاں اُس میں بھر دیں اور ہر دم

اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ ایک دن ایک دریائے بزرگ پر کھڑا تھا کہ وہ چوب دستی گر پڑی۔ ہر چند اس نے جہد کی، نہ پائی۔ حیران اور پریشان گھر کو آیا۔

اور وہ دریا شہر کے نیچے سے نکلا تھا۔ اتفاقاً وہی دہقان کنارے پر ایک جگہ غسل کرتا تھا کہ وہ چوب دستی بہتی ہوئی اُس کے پاس آنکلی۔ اُس نے اُٹھا لیا اور گھر میں اپنے آیا۔ اُس وقت عورت اس دہقان کی کھانا پکا رہی تھی اور لکڑی جلانے کی باقی نہ رہی تھی۔ دہقان نے، اس لیے کہ کھانا نیم پُخت نہ رہ جائے، اُس لاٹھی کو جلانے کے واسطے چیرا کہ ناگاہ وہ سو اشرفیاں نکل آئیں۔ شکرِ خدا بجا لایا اور موافق معمول کے پھر اس کا خرچ کرنا شروع کیا۔

چند روز کے بعد پھر شبان دہقان کے گھر آیا۔ پہلے حال سے بھی حال اس کا اب کے ابتر پایا۔ دہقان نے پوچھا کہ:

"سبب اتنے غم کا کیا ہے؟"

اُس نے قصّہ اُن اشرفیوں کے عصا میں رکھنے کا اور عصا کے دریا میں گرنے کا سب بیان کیا۔ دہقان نے کہا کہ:

"سچ کہہ، اوّل بار تو نے یہ اشرفیاں کہاں سے پائی تھیں اور کیونکر جمع کی تھیں؟"

شبان نے بھی حال موبہ مو اور راست بہ راست، جو کہ گذرا تھا، بیان کیا۔ دہقان نے تبسّم کیا اور کہا کہ:

"حمدِ بے حد خدائے پاک کے واسطے سزاوار ہے کہ حق کو اُس کے مرکز پر قرار دیتا ہے۔ اے شبان! جان تو کہ یہ صُرّہ زر کا اس چشمے پر میں ہی بھول آیا تھا، اور چاہ سے بھی میں نے ہی نکالا تھا، اور یہ سَو دینار جو تجھ کو دیے تھے، وہ بھی اسی کا بقیہ تھا، اور اب کی بار بھی تیرا عصا، کہ جس میں وہی سَو دینار تھے میرے ہی پاس آیا کہ اُسی میں سے میں آج تک

خرچ کرتا ہوں۔"

شبان متحیّر ہوا اور کہا کہ:

"اس بوالعجبی سے معلوم ہوتا ہے کہ روزی کسی کی کوئی نہیں کھا سکتا ہے۔"

(۲۵۵ - ۵۸)